آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ✤ لو تمہیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۴ بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۵ء نمبر ۹

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ ستمبر ۱۹۰۵ء کو منیجر میگزین کے اہتمام سے شایع ہوا ۔ چندہ سالانہ ۔ عہ

سلسلہ کی اعانت کی تحریکیں

(۱) ابتدائے سال میں میں نے ہندوستان سے باہر میگزین کی مفت اشاعت کیلئے ایک تحریک کی تھی جسپر بعض احباب نے توجہ کی۔ پچھلے مہینے میں لاہور کی جماعت کیطرف سے حکیم محمد حسین صاحب قریشی نے یہ تجویز کی اور پھر اسپر عمل کرنے میں بھی سبقت کی جزاہم اللہ احسن الجزاء جسکو میں بدر میں شائع بھی کر چکا ہوں کہ تمام شہروں اور قصبوں کی جماعتیں ایک معین تعداد رسالوں کی اپنے ذمے لے لیویں جو انکے خرچ پر باہر بھجوائے جاویں۔ اس تجویز کا اثر نہایت نیک ہوا اور لاہور۔ سیالکوٹ۔ میرٹھ۔ ڈیرہ غازیخاں۔ اور کپورتھلہ کی جماعتوں نے اسکو پسند کر کے بعض نے چالیس چالیس اور بعض نے دس دس رسالوں کا اپنے خرچ پر باہر بھیجنا منظور کیا۔ مگر تعجب ہے کہ ان پانچ جماعتوں کے سوا اور کسی جماعت کیطرف سے آواز نہیں آئی اسلیے دوبارہ تمام جماعتوں کے کارکن ممبروں کی خدمت میں درخواست کیجاتی ہے کہ وہ بہت جلدی اسکا انتظام کریں ایک جماعت میں سے دس رسالوں کا باہر بھیجنا صرف ۴۵ روپے سالانہ کا خرچ ہے جو پونے چار روپیہ ماہوار ہوتے ہیں اور تھوڑی سی کوشش سے اسقدر چندہ جمع ہو سکتا ہے۔ جماعت وزیر آباد اور حیدر آباد دکن سے بالخصوص یہ استدعا ہے کہ وہ لاہور اور سیالکوٹ کی طرح چالیس چالیس رسالوں کا انتظام کریں۔

(۲) جاپان میں اشاعت اسلام کیطرف حضرت امام علیہ السلام کو خاص توجہ ہے اور آپکا منشا ہی کہ ایک کتاب تیار کیجاوے جسمیں جامع طور پر اصول اسلام دکھائے جاویں یہ بھی فرمایا ہے کہ جبتک ایسی کتاب تیار ہو اسوقت تک میگزین کی متعدد کاپیاں ہی اشاعت کے لیے باہر بھیجنی چاہئیں۔ بہت احباب نے اسطرف توجہ فرمائی ہے جنہوں نے ابھی تک نہیں کی انکی خدمت میں یہ التماس ہی کہ وہ جلد تر توجہ فرماویں۔

(۳) مدرسہ تعلیم الاسلام کیطرف احباب کی خاص توجہ لگا رہے میں گذشتہ اشاعت میں عرض کر چکا ہوں کہ حضرت مسیح موعود کی غرض اس مدرسہ کے قایم کرنے سے یہ تھی اور ہے کہ سب دوستوں کے بچے اسجگہ رہکر وہ تعلیم حاصل کریں جو دوسرے مدرسوں میں کرتے ہیں تاکہ انکی دنیا کے ساتھ ساتھ انکا دین بھی سنورے مدرسہ کا سٹاف بحمد اللہ اسوقت نہایت اعلےٰ درجہ کا ہے اور بورڈنگ ہوس کی نگرانی کا کام بھی ایک پرجوش اور مخلص نوجوان احمدی گریجوایٹ کے سپرد ہے۔ کارکنوں کو ہر وقت یہی فکر ہے کہ اعلےٰ درجہ کی دینی تعلیم کے ساتھ جو بلاشبہ اسجگہ رہکر میسر آسکتی ہے اعلےٰ درجہ کی دنیوی تعلیم بھی ہو۔ اسلیے یہ نہایت ضروری ہی کہ احباب اپنے اپنے بچوں کو جو دوسرے مدرسوں میں تعلیم پاتے ہیں اس مدرسہ میں بھیجیں تاکہ وہ حضرت مسیح موعود کی صحبت میں رہکر اور خداتعالے کی ہستی کے ان نشانات کو دیکھکر جو بارش کیطرح برس رہے ہیں دنیا میں خدا کے سچے مخلصین اور مومنین کا نمونہ بنکر دکھاویں۔ صرف اسمیں

م مدرسہ کی کامیابی ہی بلکہ سلسلہ کی کامیابی بھی اسی میں ہے کہ وہ قوم پیدا ہو جو خداتعالیٰ کی ہستی کے نشانات کو

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

غلامی

۳- غلاموں کی تدریجی آزادی کے احکام

جیساکہ بار بار ثابت کیا جاچکا ہے۔ قرآن کریم نے عرب کے تمدنی اور اخلاقی قوانین مین ایک کامل اور بے نظیر تبدیلی پیدا کی مدتون کی بدیان جو گویا جزو خون ہو چکی تھین آنحضرؐ کے طاقتور الفاظ کے سامنے یون نیست و نابود ہو گئین جیسے ایک زبردست آندھی کے سامنے چھوٹے چھوٹے تنکے اُڑ جاتے ہین مگر غلامی ایک ایسی چیز تھی کہ جہان بعض پہلوؤن کے لحاظ سے اسے بُرا کہہ سکتے ہین بعض وجوہات سے ابتدائی سوسائٹی مین اس رواج کا موجود ہونا ضروریات مین سے تھا اور یہ مین پہلے حصہ مضمون مین ثابت کر چکا ہون۔ علاوہ ازین یہ بھی دکھایا جاچکا ہے کہ اسیران جنگ یا مغلوب دشمن کو غلام بنا لینا خود اس قدیم رواج پر ایک عظیم الشان ترقی تھی جس کے رو سے ایسے لوگ کل کے کل ہلاک کر دیئے جاتے تھے جس کا ذکر توریت مین بھی ہے۔

ان باتون کو چھوڑ کر غلامونکو یکدفعہ ہی آزاد کر دینے مین اَور بڑے بڑے مضرات تھے اور ایسی کارروائی مین نہ صرف آقاؤن کا ہی بہت بڑا نقصان تھا بلکہ اسکا اثر خود غلامونکی حالت پر بھی بہت بُرا ہوتا۔ اور سوسائٹی کے تمدن اور اخلاق کا تباہ کرنیوالا ہوتا۔ وہ لوگ جو پشتون سے غلام چلے آتے تھے ان مین سے نہ صرف آزادی کی روح ہی نکل چکی تھی بلکہ کام اور محنت مین بھی وہ سست ہو گئے تھے۔ ایسے لوگونکو خالی ہاتھ کھلا چھوڑ دینے کا نتیجہ یہ تھا کہ یا تو وہ آوارگی اور گدائی مین زندگیان بسر کرتے اور یا چوری ڈاکہ اور بدمعاشی کے پیشے اختیار کرتے اور مالکون کا لاکھون روپیون کا الگ نقصان تھا۔ کوئی عقلمند انسان ان حالات کے ماتحت غلامونکو یکدفعہ

آزاد کرنے کا مشورہ نہین دے سکتا۔

بلحاظ وجوہات بالا اور وجوہات کے لحاظ سے جو اسوقت پیش آئین اسلام نے اپنے مد نظر پہلا مقصد یہ رکھا کہ غلامون کی حالت بہتر کیجاوے فطرت انسانی کی پستی کا خیال ان کے دلون سے دور کیا جاوے اور سب سے بڑھکر یہ کہ ان کو کام اور محنت کرنیکے قابل بنایا جاوے اور پھر اسکے ساتھ ساتھ ہی انکو آہستہ آہستہ آزاد بھی کیا جاوے یہی وجہ تھی کہ سب سے پہلے اسلام نے آقا اور غلام کے درمیان ایک کامل اخوت قایم کی تاکہ جو ذلت غلام کیطرف منسوب کیجاتی ہے وہ دور ہو جاوے اور اس ایک ہی دروازہ کے بند کرنے سے بہت سی بدیان رک جاوین۔ اس اخوت کا عملی طور پر ابتدائی مسلمانون نے کیا ثبوت دیا صحابہ کی تاریخ کے حوالے سے گذشتہ اشاعت مین دکھایا جا چکا ہے۔ اس بات کی تائید مین کہ واقعی اسلام کا یہ منشاء تھا کہ پہلے غلامونکی حالت سنوار کر پھر انکو آزاد کیا جاوے قرآن کریم اور حدیث شریف دونونسے ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے:۔ والذین یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا واتوھم من مال اللہ الذی اتکم (النور۔ رکوع ۴۔ آیت ۳۳) اور ان لوگون مین سے جنکے تمہارے دائین ہاتھ مالک ہو چکے ہین یعنی تمہارے غلامون لونڈیون مین سے جو اس بات کے خواہان ہون کہ تم انکو آزادی کی لکھت دیدو۔ تو تم انکے ساتھ مکاتبت کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان مین بھلائی کے آثار پاؤ اور آزاد کرتے وقت مال خدا مین سے جو اسنے تمکو دے رکھا ہے کچھ انکو بھی دیدیا کرو۔ اس آیت شریف مین مکاتبت کے لیے اللہ تعالے نے دو باتین ضروری قرار دی ہین اول یہ کہ غلام مین کچھ بھلائی نظر آتی ہو یعنی اسکی آزادی اس کی اپنی اور سوسائیٹی کی بہتری کا موجب ہو۔ ان الفاظ کی تشریح مین تفسیر کبیر مین آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کی گئی ہے کہ آپنے فرمایا کہ ان علمتم فیھم خیرا سے مراد یہ ہے کہ:۔ ان علمتم لھم حرفۃ فلا تدعوھم کلا علے الناس یعنی اگر تمہین معلوم ہو کہ وہ کوئی ایسا حرفہ جانتے ہین جس سے وہ اپنا معاش پیدا کر سکتے ہین اور فرمایا کہ تم انکو ایسی حالت مین مت چھوڑو کہ وہ لوگون پر یعنی سوسائیٹی پر بوجھ ہون مطلب اسکا یہ ہے کہ غلام لونڈی سے مکاتبت کرتے وقت یہ دیکھ لیا کرو کہ وہ اپنے لیے روزی کمانیکے بھی قابل ہے اگر وہ اس لایق ہی نہین تو تمہارے اسکو آزاد کرنیکا یہ نتیجہ ہوگا کہ بجائے سوسائیٹی کا مفید ممبر ہونیکے وہ سوسائیٹی پر ایک بوجھ ہوگا اور اصل غرض آزادی کی مفقود ہو جاوے گی۔ دوسری بات جسکو مکاتبت کے ساتھ ضروری قرار دیا ہے یہ ہے کہ اسکو مفلس کرکے دنیا مین مت چھوڑو بلکہ کچھ مال بھی اسکو دیدو تا وہ کسی کام کے شروع کرنیکے قابل ہو جاوے ان دونون باتونکو مد نظر رکھکر بڑی صفائی سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اسلام کی اصل غرض کیا تھی۔ ایسا ہی صحیح بخاری کی ایک حدیث سے بھی

معلوم ہوتا ہے کہ جو لونڈی یا غلام آزاد کیا جاوے ایسا ہونا چاہیئے جو خوب کام کرتا ہے اور اپنے آقا کو خوش رکھتا ہے۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالےٰ عنہ فرماتے ہین کہ مینے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا ای الرقاب افضل یعنی آزاد کرنیکے لیے کونسا بردہ سب سے افضل ہے۔ فرمایا:۔ اغلاہا ثمنا وانفسہا عند اہلہا۔ یعنی جو سب سے زیادہ گران قیمت ہو اور مالک کے نزدیک سب سے زیادہ قابل قدر ہو۔ ان الفاظ مین آپنے غلامونکو بھی یہ سمجھا دیا کہ انکے لیے آزادی حاصل کرنے کی راہ یہی ہے کہ وہ اپنے آپکو بہت مفید اور قیمتی آدمی بنانے کی کوشش کرین کیونکہ جس غلام کی مالک کو زیادہ قدر ہوگی وہی سب سے پہلے آزادی کا مستحق بھی ہوگا۔ مین جب اسلام کی تعلیم کو دیکھتا ہون تو حیران ہو جاتا ہون کہ اسکے کل کے کل احکام کس قدر باریک اصول حکمت پر مبنی ہین۔ غلامون کی آزادی کا فتوے الفاظ مین دیدینا چندان مشکل نہین مگر اسلام صرف یہی نہ چاہتا تھا بلکہ اس کی اصل غرض غلامونکی حالت کو سنوارنا تھا کیونکہ مدتونکی غلامی سے انکی حالت بہت گر چکی ہوئی تھی اور پھر جون جون ان کی حالت سنورتی جائے اور وہ اپنے آپ کو مفید بناتے جاوین ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام بھی فرمادیا۔ یہی بڑی وجہ تھی کہ اسلام نے یکمرتبہ ہی غلامونکی آزادی کا حکم نہین دیدیا بلکہ تدریجی آزادی کے قاعدہ کو جاری فرمایا۔ ورنہ وہ مذہب جس نے شراب جیسی بدی کو جس کی بیخ کنی کا آج دنیا مین کوئی علاج نہین ملتا ایک ہی لفظ مین ایسا بیخ و بن سے کاٹ دیا کہ اسکا نام ونشان بھی نہ رہا۔ اسکے آگے غلامونکو یکمرتبہ آزاد کردینا کیا مشکل تھا۔ اور اب آخر کار انیسوین صدی مین آکر جب عیسائیونکو غلامی کے دور کرنے کا خیال پیدا ہوا تو تدریجی آزادی کے اصول کو ہی اختیار کیا گیا۔ پس یہ کسقدر حماقت ہے کہ اسلام پر یہ اعتراض کیا جاوے کہ اس نے غلامی کو یکقلم کیون موقوف نہین کردیا۔

قبل اس کے جو مین اسلام کے ان احکام کو بیان کرون جن سے غلامونکی تدریجی آزادی ثابت ہوتی ہے۔ مین یہ بیان کرنا چاہتا ہون کہ اس بارے مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مسلمانونکے لیئے ایک نمونہ قایم کرکے اپنی اصل غرض اور منشاء کو ظاہر کردیا ہے اور یہ فخر اور بزرگی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی حاصل ہی۔ کہ آپنے ہر ایک امر پر پہلے خود عمل کرکے دکھایا تاکہ آپکے عمل سے یہ معلوم ہوجائے کہ آپ کا منشاء کیا تھا۔ اور اسی لیے مسلمانونکو اللہ تعالےٰ نے خاص طور پر لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ فرماکر یہ سمجھا دیا کہ جو نمونہ تمہارے لیے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قایم کرتے ہین اسی نمونہ پر تم سب کو چلنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور افعال کو حفاظت سے آنے والی نسلون تک پہونچا دیا۔ اب جب غلامونکے بارے مین ہم آپ کے نمونہ کو تلاش کرتے ہین تو صحیح حدیثونسے اور آپ کی سیرۃ کی معتبر تاریخونسے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ اپنے

غلاموںکو آزاد کر دیا کرتے تھے۔ چنانچہ مواہب لدنیہ مین بہت سارے غلامون اور لونڈیون کے نام لکھکر جنکو آپنے آزاد کیا تھا ابن جوزی کی سند پر یہ لکھا ہے کہ آپنے تینتالیس غلام اور گیارہ لونڈیون کو آزاد کیا۔ بعض مورخون نے آپ کے آزاد کردہ بردونکی تعداد کو اس سے بہت زیادہ لکھا ہے۔ مگر ہماری غرض کے لیئے صرف اسقدر بات کافی ہے کہ جو غلام آپکے قبضے مین آتا تھا آپ جلدی اسکو آزاد کر دیتے تھے آپکے اس نمونہ کو ہی دیکھکر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے غلامونکے آزاد کرنے مین بڑی بڑی ہمتین دکھائین اور جہانتک اسوقت کی تمدنی حالت برداشت کر سکتی تھی غلامونکو آزاد کرتے رہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی گہری دلی ہمدردی جو غلامونکے ساتھ تھی اور جو سچی تڑپ آپکے دل مین انکے آزاد کرنیکے لیئے تھی اسکا صحابہ پر اسقدر اثر تھا کہ وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ بہت ہی خوش کرنیوالی بات ہے کہ غلام آزاد کیا جاوے۔ جب حضرت ابو ہریرہؓ نے اسلام قبول کیا۔ اور بیعت مین داخل ہوئے تو آپکے ساتھ آپ کا ایک غلام بھی آیا تھا جو اتفاقاً راستہ مین آپسے جدا ہو گیا۔ آپ بیعت سے فارغ ہو کر بیٹھے ہی تھے کہ غلام بھی آموجود ہوا۔ آپنے اسیوقت فرمایا کہ جا مین نے خدا کیلیئے تجھے آزاد کیا۔ گویا اپنے اس فعل سے اسوقت آپنے یہ ظاہر کیا کہ کس طرح آپ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر ایک قول اور فعل کی پیروی کرنیکے لیئے تیار تھے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس غلام اپنے آقاؤن کی شکایتونکو اس طرح لے کر آتے تھے گویا ان کا دل اس یقین سے بھرا ہوا تھا کہ آپ ہر حال مین ہمارے حامی ہونگے! ور ایسی شکایتونکا نتیجہ اکثر آقاؤنکے خلاف ہی ہوتا تھا کیونکہ آپ اکثر غلام کو آزاد کر دیتے۔ ابو مسعودؓ جیسے جلیل القدر صحابی نے جب اپنے غلام کو کسی قصور پر مارا تو اتفاقاً آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا۔ جب حضرت ابو مسعود کو یہ معلوم ہوا کہ آنحضرت نے دیکھ لیا ہی تو پہلے لفظ جو آپکے منہ سے نکلے یہ تھے۔ کہ اے رسول خدا مینے اس غلام کو خدا کیلیئے آزاد کر دیا۔ آپنے فرمایا اور اگر تم آزاد نکرتے تو آگ مین ڈالے جاتے! اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کو کسقدر تیقن تھا کہ آپ انسانونکے سچے ہمدرد اور غلامونکے سچے خیر خواہ ہین۔ آپ ہی کے نقش قدم پر قرون اولے کے مسلمان چلتے رہے کیونکہ انکے دلون مین ایسی آپ کی محبت اور عشق کی آگ روشن تھی کہ وہ کبھی گوارا نہ کر سکتے تھے کہ جو فعل رسول خدا کیا کرتا تھا وہ اسے نہ کرین۔ چنانچہ پہلے خلفائے کے زمانہ مین غلامونکی تدریجی آزادی جاری رہی۔ باقی رہا یہ کہ تبدان سب کو آزاد کر دیتا سو ہر ایک دانشمند دیکھ سکتا ہے کہ اس مین نہ آقاؤنکی نہ غلامونکی اور نہ ہی سوسائٹی کی بھلائی تھی بلکہ سب کا نقصان تھا۔

اب مین ان احکام کو بیان کرونگا جو قرآن کریم مین اور حدیث نبوی مین غلامونکی تدریجی آزادی کے

متعلق وارد ہوئے ہین۔ سب سے پہلے یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ قرآن شریف مین جو حکم غلامون لونڈیون کے ساتھ احسان کرنیکا مذکور ہوا ہے اسکی اصل غرض اور غایت بھی یہی تھی کہ رفتہ رفتہ غلامونکو آزاد کر دیا جاوے یہ بات نہ صرف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اپنے عمل سے ہی ثابت ہے کہ آپ ہر ایک غلام کو جو آپکے قبضہ مین آتا تھا آزاد کر دیتے تھے بلکہ آپکے اقوال سے بھی یہی بات واضح اور روشن ہے۔ مثلاً آپ کا وہ قول جو گذشتہ اشاعت مین بھی نقل کیا جا چکا ہے جسکا ترجمہ یہ ہے کہ حضرت جبرائیل نے غلامون کے ساتھ نیک سلوک کرنے کی یہانتک مجھکو تاکید کی کہ مین نے خیال کیا کہ کسی کو غلام ہی نہ بنایا یا رکھا جاوے ایک بین دلیل ہے اس بات پر کہ سب سے عمدہ سلوک غلامونکے ساتھ انکو آزاد کرنا ہی تھا۔ ایسا ہی وہ حدیث بھی نقل کی جا چکی ہے کہ جب ابو الہیثم رضی اللہ تعالے عنہ کو آپنے ایک غلام دیا اور ساتھ تاکید کی کہ اسکے ساتھ حسن سلوک کرنا تو اس کی بیوی نے کہا کہ اسکے ساتھ حسن سلوک تو ہم یہی کر سکتے ہین کہ اسکو آزاد کر دین چنانچہ آزاد کر بھی دیا۔ ان تمام باتونسے وہ مدعا حاصل ہے جسکو ہم ثابت کرنا چاہتے ہین۔

جب ہم قرآن شریف کو پڑھتے ہین تو معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو آزاد کرنا اللہ تعالے کے نزدیک بہت ہی پیارا فعل ہے چنانچہ سورۃ البلد مین اللہ تعالے فرماتا ہے:- الم نجعل لہ عینین ولسانا وشفتین وہدینہ النجدین فلا اقتحم العقبۃ وما ادریک ما العقبۃ فک رقبۃ۔ (البلد-۸-۱۱) کیا ہم نے انسان کو دو آنکھین اور زبان اور دو ہونٹ نہین دیئے اور اسکو (نیکی اور بدی کے) دونون رستے بھی دکھا دیئے پھر بھی وہ گھاٹی مین سے ہو کر نہ نکلا! اور تم کیا سمجھتے ہو کہ وہ دشوار گذار گھاٹی کیا ہے وہ ہے کسی کی گردن کا غلامی یا قرض کے پھندے سے چھڑا دینا" اس آیت شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے غلامونکے آزاد کرنیکو کسقدر ضروری قرار دیا ہے مگر ساتھ ہی اسکی مشکلات کو سمجھ کر یہ بھی فرما دیا کہ غلامون کا آزاد کرنا کوئی آسان امر نہین بلکہ ایک نہایت مشکل امر ہے اور ایک دشوار گذار پہاڑی راہ پر چڑھنے کے برابر ہے۔

البقرۃ آیت ۱۷۷ مین اللہ تعالے فرماتا ہے۔ ولکن البر من آمن باللہ.... وآتی المال علے حبہ ذوی القربی ..... وفی الرقاب۔ کہ حقیقی پاکیزگی یہ ہے کہ انسان ایمان لائے اور پھر ساتھ اسکے اپنا مال خالص اللہ کی محبت کے لیے فلان فلان موقعہ پر خرچ کرے جس مین غلامونکا آزاد کرنا بھی شامل فرمایا ہے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسی آیتین محض نصیحت کے پیرایہ مین نہین بلکہ ان مین صحابہ رضی اللہ عنہم کی زندگیون کا ایک سچا نقشہ بھی کھینچا گیا ہے چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نے بہت بہت غلام آزاد کیئے نہ صرف اپنی ملکیت کے بلکہ خرید خرید کر بھی بہتونکو آزاد کیا چنانچہ ایک صحابی کا ذکر ہے کہ اسنے ایکسو غلام اسلام لانیکے

بعد آزاد کیا۔ اور حضرت ابوبکر نے مکہ مین چالیس ہزار درم غلامونکے خرید کر آزاد کرنے مین خرچ کیے۔ ان تمام باتونسے ثابت ہوتا ہے کہ غلامونکا آزاد کرنا اسلام نے مذہبی فرض قرار دیا ہے۔

نہ صرف افراد کو ہی یہ حکم تھا کہ وہ حسب طاقت اور بمقتضائے وقت غلام آزاد کرین۔ بلکہ صدقات کے روپے کا جو بیت المال مین جمع ہوتا تھا ایک ضروری خرچ غلامونکا آزاد کرنا بھی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالے قرآن شریف مین فرماتا ہے:۔ انما الصدقت للفقراء والمساکین والعملین علیہا والمؤلفۃ قلوبہم وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللہ وابن السبیل فریضۃ من اللہ واللہ علیم حکیم + (التوبۃ۔ رکوع ۸۔ آیت ۶۰) یعنی صدقات کا روپیہ فقیرون کا حق ہے اور محتاجونکا اور ان کارکنون کا جو اسکے وصول کرنے یا تقسیم کرنے پر مقرر ہین۔ اور مولفۃ القلوب کا اور نیز روپیہ غلامونکے آزاد کرنے اور قرضدارون کے قرضے ادا کرنے مین اور اللہ کی راہ مین اور مسافرونکے لیئے خرچ کیا جاوے۔ یہ اللہ کے ٹھہرائے ہوئے حقوق ہین اور اللہ جاننے والا اور حکمت والا ہے اس آیت مین صدقات یعنی زکوۃ کے روپے کے مصارف مین سے ایک ضروری خرچ غلامونکے آزاد کرنیکا ٹھہرایا گیا ہے۔ گویا حکومت کا یہ فرض قرار دیا گیا ہے کہ وہ بھی ایک حصہ روپے کا غلامونکے آزاد کرنے مین صرف کرے۔ یہ حکم انسانی نہین بلکہ اللہ تعالے کیطرفسے ہے۔

علاوہ ان عام احکام کے بعض حالتون مین صاحب مقدور مسلمانونکے لیئے غلام کا آزاد کرنا جہان غلام ملسکے لازمی قرار دیا گیا ہے اور یہ تمام موقعے کسی نہ کسی گناہ کا کفارہ ہین۔ پہلا موقعہ وہ ہے جب ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو غلطی سے مار ڈالے اسوقت بردہ آزاد کرنیکا حکم ہے (النساء۔ ۴-۹) دوسرا وہ موقعہ ہے جہان کوئی اپنی بیوی سے ظہار کر بیٹھے یعنی اپنی بیوی کو ماں کہدے اسے جھوٹ اور بیہودہ قرار دیا ہے اور ظہار کے بعد اگر پھر رجوع کرے تو اسکا کفارہ غلام کا آزاد کرنا رکھا ہے (المجادل ۳ و ۴) ان دونون صورتون مین غلام کا آزاد کرنا لازمی ہے لیکن اگر غلام نہ ملے تو پھر اور صورتین کفارہ کی بتائی گئی ہین۔ تیسرا موقعہ وہ ہے جب کوئی قسم کھا بیٹھے اور پھر اسکو پورا نہ کرے اسکا کفارہ یہ فرمایا کہ یا دس مسکینونکو کھانا کھلائے یا کپڑا پہنائے اور یا بردہ آزاد کرے۔ حدیث شریف سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص روزہ رکھکر اسکو توڑ دے اسکا کفارہ بھی غلام کا آزاد کرنا ہے۔ یہ سب ایسے حکم ہین جن مین غلام کا آزاد کرنا ضروری ہے۔

احادیث مین بھی غلامون کے آزاد کرنے پر بہت زور دیا گیا ہے۔ صحیح بخاری مین ہے۔ ایما رجل اعتق امرأ مسلما استنقذ اللہ بکل عضو منہ عضوا منہ من النار۔ یعنی جو شخص ایک مسلمان غلام کو

آزاد کرے گا۔ اللہ تعالےٰ اس غلام کے ہر ایک عضو کے بدلے آزاد کنندہ کے ہر ایک عضو کو آگ سے بچائیگا
اس سے بڑھ کر غلامون کی آزادی کے لیے اور کیا ترغیب ہو سکتی ہے۔ ایک اور حدیث کا مضمون
یہ ہے۔ عن البراء ابن عازب قال جاء رجل الی النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال دلنی علی عمل یقربنی
من الجنۃ و یبعدنی من النار فقال اعتق النسمۃ وفک الرقبۃ۔ یعنی براء بن عازب رضی اللہ عنہ روایت
کرتے ہین کہ ایک۔ آدمی نبی صلے اللہ علیہ وسلم کیخدمت مین حاضر ہوا اور عرض کیا مجھے وہ عمل بتائیے
جو مجھے جنت سے نزدیک کرے اور دوزخ سے دور کرے فرمایا غلام کو آزاد کر اور گردن کو چھڑا۔ الیساہی
ایک حدیث شریف مین آیا ہے کہ سب سے پیارا عمل خدا کے نزدیک غلام کا آزاد کرنا ہے۔ خاص خاص
موقعون پر بھی غلام کے آزاد کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ بخاری مین ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ
عنہما......قالت امر النبی صلے اللہ علیہ وسلم بالعتاقۃ فی کسوف الشمس۔ اسماء بنت ابوبکر
رضی اللہ عنہما فرماتی ہین کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سورج گرہن کے موقعہ پر غلامونکے
آزاد کرنے کا حکم دیا۔

یہ تمام احکام جو قرآن شریف اور احادیث صحیحہ سے دکھائے گئے ہین صرف ترغیب و تحریص کے
رنگ مین ہین اور اگرچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی تاریخ سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان احکام کی ایسی
پیروی کرتے تھے جیسے فرایض کی۔ مگر اسلام نے غلامونکے آزاد کرنیکا صرف یہی طریق نہین رکھا۔
بلکہ ایک اور صورت بھی بتائی ہے۔ جو ان تمام صورتون سے الگ ہے۔ کیونکہ ان تمام صورتون مین
غلام کا آزاد کرنا صرف آقا کی مرضی پر منحصر ہے لیکن اسلام نے غلامونکو آزادی حاصل کرنیکا حق بھی
دیا ہے۔ اس پر سورہ نور کی وہ آیت شاہد ہے جو پہلے بھی ایک موقعہ پر نقل کی جا چکی ہے۔ والذین
یبتغون الکتب مما ملکت ایمانکم فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا واتوہم من مال اللہ الذی اتکم۔ (النور
۴ - ۳۳) ترجمہ اور تمہارے غلامون مین سے جو مکاتبت کے خواہان ہون تم انکے ساتھ مکاتبت
کر لیا کرو بشرطیکہ تم ان مین بہتری کے آثار پاؤ۔ اور مال خدا مین سے جو اس نے تم کو دے رکھا ہے
کچھ انکو بھی دیدیا کرو۔ مکاتبت یون ہوتی تھی کہ آقا غلام کو کچھ روپے کی ادائیگی کے وعدے پر یہ لکھدیا
کرتا تھا۔ کہ جب اسقدر روپیہ ادا ہو جائے تو غلام آزاد سمجھا جائے گا۔ اور اس اثنا مین غلام بجائے خود
کام کر کے روپیہ کماتا اور وہی روپیہ مالک کو آزادی حاصل کرنیکے لیئے دیتا۔ اس آیت شریفہ
مین یہ حکم ہے کہ جب تمہارا غلام مکاتبت کا خواہان ہو تو ضروری ہے کہ تم اس سے مکاتبت کرو۔
شرط صرف یہ ہے کہ وہ کچھ مفید کام کرنیکے قابل ہو۔ اور اس شرط کا ہونا اسلیئے ضروری تھا تاکہ

غلام آزاد ہو کر سوسائیٹی کو بجائے فائدہ کے نقصان پہنچانیوالے نہ بنیں۔ بلکہ صرف وہی آزاد ہوں جو کچھ کمانے کے قابل ہیں۔

یہ سوال اٹھایا گیا ہے کہ جب غلام مکاتبہ چاہے تو آیا آقا پر واجب ہے کہ وہ مکاتبت لکھدے یا نہیں۔ اول تو قرآن کریم کے الفاظ سے ہی اسکا وجوب معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس مین یہ حکم ہے کہ جب غلام مکاتبت کا خواہان ہو تو مکاتبت کر لیا کرو۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ صحیح بخاری مین۔۔۔ باب المکاتب کے نیچے آیت مذکورہ بالا کو لکھنے کے بعد لکھا ہے:۔ وقال رَوح عن ابن جُریج قلت لعطاء اواجب علی اذا علمت لہ مالا ان اکاتبہ قال ما اراہ الا واجبا۔ وقال عمرو بن دینار قلت لعطاء تاثرہ عن احد قال لا ثم اخبرنی ان موسے بن انس اخبرہ ان سیرین سال انسا المکاتبۃ وکان کثیر المال فابی فانطلق الی عمرؓ فقال کاتبہ فابی فضربہ بالدرۃ ویتلو عمرؓ فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا فکاتبہ۔
یعنی روح سے روایت ہے کہ ابن جریج کہتے ہین کہ مینے عطا کو پوچھا کہ اگر مجھے معلوم ہو کہ غلام مال دے سکتا ہے تو مکاتبہ کرنا مجھ پر واجب ہے انہون نے جواب دیا کہ مین تو اسے واجب ہی سمجھتا ہون۔ اور عمرو بن دینار کہتے ہین مینے عطا کو کہا کہ آپ کسی دوسرے سے یہ روایت کرتے ہین کہا نہین۔ پھر مجھے انہون نے خبر دی کہ موسے بن انس نے انکو خبر دی کہ سیرین نے انس سے مکاتبہ کی خواہش کی اور وہ بہت مال والا تھا۔ انس نے انکار کیا تو سیرین حضرت عمرؓ کے پاس چلے گئے آپنے انس کو بلا کر کہا کہ مکاتبہ کر لو۔ انہون نے پھر انکار کیا تو حضرت عمرؓ نے انکو درہ کے ساتھ مارنا شروع کیا اور آپ قرآن شریف کی یہ آیت پڑھتے تھے فکاتبوہم ان علمتم فیہم خیرا۔ پھر انس نے مکاتبہ لکھدیا

مکاتبہ کا روپیہ عموماً باقساط ادا کیا جاتا تھا۔ اور بظاہر اس مین غلام کی ہی رعایت تھی۔ لیکن اگر اقساط مقرر کرنیکے بعد غلام کافی روپیہ ایک ہی وقت مین دے سکنے کے قابل ہو تو آقا مجبور تھا کہ اسے اسیوقت روپیہ لیکر آزاد کر دے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایسا ہی ایک فیصلہ ہوا تھا۔ کہ ایک عورت نے یکمشت مکاتبہ کا روپیہ لینے سے انکار کیا تو آپنے روپیہ بیت المال مین داخل کر کے غلام کو آزاد کر دیا اور عورت کو کہا کہ تو اب اپنا روپیہ خواہ باقساط لے اور خواہ یکمشت۔ ان مقدمات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایسی صورت مین غلام آقا کو آزادی کے لیے مجبور کر سکتا تھا۔

مکاتبہ کی صورت مین سارا روپیہ غلام کو نا پڑتا تھا۔ بلکہ اکثر اوقات دوسرے لوگ روپیہ دیکر اسکی مدد کرتے اور بعض وقت قومی چندے بھی اس غرض کیلئے کیئے جاتے اور صدقات کے روپے مین سے بھی کچھ روپیہ دیدیا جاتا تھا۔ قرآن شریف کے اس حکم مین کہ واتوہم

من مال اللہ الذی اتٰکم - صرف غلام کا آقا ہی مخاطب نہین بلکہ عام طور پر بھی مسلمانون کو ترغیب دیگئی ہے کہ جب غلام روپیہ دیکر آزادی حاصل کرنی چاہتا ہو تو تم بھی اسے کچھ دیدیا کرو - احادیث سے بھی یہ ثبوت ملتا ہے کہ مسلمانونکو چاہیئے غلامونکے چھوڑنے مین مدد کیا کرین - تفسیر کبیر مین اس آیت کی تفسیر کے نیچے یہ روایت لکھی ہے - ان رجلا قال للنبی صلی اللہ علیہ وسلم علمنی عملا یدخلنی الجنة قال لان کنت اقصرت الخطبة لقد اعظمت المسئلة اعتق النسمة وفک الرقبة فقال الیسا واحدا فقال لا عتق النسمة ان تنفرد بعتقھا و فک الرقبة ان تعین فی ثمنھا - ایک آدمی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا مجھے وہ عمل سکھایئے جس سے مین جنت مین داخل ہو جاؤن - فرمایا اگرچہ تیری بات مختصر ہے مگر تیرا سوال بہت بڑا ہے - غلام کو آزاد کر اور گردن کو چھڑا - اسنے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ان دونون باتون کا ایک ہی مطلب نہین - فرمایا نہین - غلام کے آزاد کرنیسے یہ مراد ہے کہ تو اکیلا ہی اسکو آزاد کرے اور گردن کے چھڑانیسے یہ مراد ہے کہ تو اسکی قیمت کے ادا کرنے مین مدد کرے -

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی بہت سی مثالین موجود ہین جن مین خود آپنے اور آپکے ازواج مطہرات اور صحابہ کرام نے غلامونکو آزادی حاصل کرنے مین مالی مدد دی - چنانچہ سلمان فارسی کے مکاتبہ کی شرائط کو پورا کرنیکے لیئے آنحضرت نے خود اپنے ہاتھ سے تین سو درخت کھجور کا لگایا اور روپیہ کی ادائیگی یون ہوئی کہ آپنے صحابہ کو اسکا چندہ کرنیکے لیے حکم دیا چنانچہ چندہ کرکے وہ رقم ادا کی گئی حضرت عایشہ رضی اللہ عنہا نے بریرہ کے مکاتبہ کا کل روپیہ ادا کیا اور یہ حدیث صحیح بخاری مین موجود ہے فک رقبہ پر قرآن شریف نے خود بہت زور دیا ہے اور یون ہر پیرائے مین مسلمانونکو غلامونکے آزادی حاصل کرنے مین مدد دینے کی ترغیب دی ہے کہ خود غلام آزاد کرو - چندہ کرکے انکی قیمت ادا کرو اور بالآخر یہ کہ صدقات کے روپئے کا ایک حصہ اسی نیک کام مین صرف کرو - اگر پچھلے زمانے کے مسلمان ان ہدایتون پر اسی طرح عمل کرتے جیسے صحابہ کرام نے عمل کرکے دکھایا - تو اسلامی ممالک مین سے کبھی کا غلامی کا نام ونشان مٹ گیا ہوتا -

بعض اور حالتین بھی تھین جن مین غلامونکا آزاد کرنا ضروری قرار دیا گیا تھا - اگر آقا غلام کو مارے تو اسکا کفارہ اسکا آزاد کرنا قرار دیا گیا - جب کبھی مار کی شکایت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پاس پہنچی تو آپنے فے الفور غلام کو آزاد کر دیا - خلفائے راشدین کا بھی اسی پر عمل رہا - چنانچہ امام مالک نے مؤطا مین روایت لکھی ہے - کہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک لونڈی کی شکایت آئی جسکو اسکے آقا نے مارا تھا - تو آپنے اسے فے الفور آزاد کر دیا - ایسا ہی آزادی کا استحقاق اس صورت مین پیدا ہو جاتا تھا - جب لونڈی اور آقا کا تعلق تعاونہ

بیوی کی طرح ہوکر اس سے اولاد پیدا ہو۔ خاوند کی زندگی مین اس سے لونڈی کی طرح سلوک نہ ہونا تھا۔ اور اسکے مرنیکے بعد وہ آزاد سمجھی جاتی تھی۔ اگر ایک غلام کئی مالکونکی مشترکہ ملک ہو اور ان مین سے ایک بقدر اپنے حصّہ کے اسے آزاد کردے تو حکم تھا کہ اگر اُسے توفیق ہو تو وہ باقی مالکونکے حصّہ کی پوری قیمت ادا کرکے غلام کو بکلی آزاد کردے۔ ایسا ہی اگر آقا وصیت مین لکھدے کہ فلان غلام آزاد ہے تو ورثا اسکو آزاد کرنے کے لیے مجبور ہوتے۔

علاوہ ان غلامون کے جو اسلام سے پہلے مسلمانون کے قبضے مین آچکے تھے اور جنکی بہت بڑی تعداد ان احکام کے مطابق آزاد کردی گئی تھی اسیران جنگ تھے جو اسوقت کے قوانین جنگ کے لحاظ سے فاتحین کی غلامی مین آجاتے تھے مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اکثر انکو بھی آزاد کردیا۔ اسّی آدمی جنھون نے فتح مکہ کیوقت مقابلہ کیا تھا اور جو گرفتار کر لیے گئے تھے سب کے سب آزاد کردیے گئے۔ قوم ہوازن کے چھ ہزار قیدی مسلمانونکے ہاتھ لگے تھے۔ اور وہ کل کے کل بغیر فدیہ لینے کے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے آزاد کردیئے۔ اور یہی تعلیم قرآن شریف کی ہے کہ حتے الوسع اسیران جنگ کو احسان رکھکر یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاوے۔ جیساکہ سورہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آیت امامنا بعد و اما فدا سے ظاہر ہے یعنی جب تم دشمن کو قیدی بنالو تو پھر یا انہین احسان رکھکر چھوڑ دو اور یا فدیہ لیکر چھوڑ دو۔ قرآن کریم کی بات بات مین خدا سے ہونیکا ثبوت ملتا ہے۔ یہان بھی مقدم اسی بات کو رکھا ہے کہ احسان رکھکر چھوڑ دو۔ ہان اگر احسان رکھکر چھوڑنا مصلحت وقت نہ ہو اور اس سے دشمن کو ایسی تقویت پہونچتی ہو کہ اس سے پھر جنگ کا خطرہ ہو تو سوسایٹی کے امن کے لیے یہ ضروری سمجھا گیا اور ہر ایک دانشمند اسے ضروری سمجھے گا کہ یا تو قیدیون کا فدیہ لیکر انکو چھوڑا جاوے تا دشمن کو مالی کمزوری پہونچکر پھر وہ امن مین خلل نہ ڈال سکے اور اگر وہ فدیہ نہ دین تو ایسی صورت مین گویا وہ خود غلامی کو اختیار کرنیوالے ٹھہرینگے۔ چنانچہ جب ہوازن کے قیدی مسلمانونکے ہاتھ لگے تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم جیساکہ بخاری شریف کی صحیح حدیث سے ثابت ہے کئی دن تک ان کا انتظار کرتے رہے کہ وہ آکر اپنے قیدی مانگین تو چھوڑ دیئے جاوین۔ چنانچہ جب آخر وہ چند دن دیر کرکے آئے اور اسوقت غلام تقسیم ہوچکے تھے۔ تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے منبر پر چڑھ کر مسلمانون کو یون خطاب فرمایا۔ اما بعد فان اخوانکم جاؤنا تائبین وانی رایت ان ارد الیہم سبیہم فمن احب منکم ان یطیب ذلک فلیفعل ومن احب ان یکون علے حظہ حتے نعطیہ ایاہ من اول مایفئ اللہ علینا فلیفعل۔ فقال الناس طیبنا ذلک۔ تمہارے بھائی تایب ہوکر تمہارے .... پاس آئے ہین کہ پھر جنگ نہ کرینگے اور مین مناسب سمجھتا

ہون کہ ان کے قیدی ان کو واپس کردین پس تم مین سے جو کوئی بخوشی ان کو احسان رکھکر واپس کرنا چاہے تو کر دے اور جو یہ چاہے کہ اسکے معاوضہ مین کچھہ لے کر چھوڑے تو وہ منتظر رہے جبتک خدا ہم کو کچھہ دے۔ جس مین سے ہم اسے دیدین اسپر سب مسلمانون نے عرض کیا کہ ہم بخوشی ان کو مفت چھوڑتے ہین۔

اس تمام بحث سے ناظرین پر یہ عیان ہوچکا ہے کہ دو قسم کے غلام تھے جنکے ساتھ اسلام کو واسطہ پڑا۔ اور ان مین سے ہر ایک قسم کے لیے انکے مناسب حال آزادی کی راہین بھی الگ الگ تجویز کی گئین۔ قسم اول مین وہ غلام شامل تھے جو اسلام لانیسے پہلے مسلمانون کے قبضے مین آچکے ہوئے تھے اور جو مدتون سے بلکہ پشت در پشت غلامی مین چلے آتے تھے۔ دوسری قسم مین اسیران جنگ تھے جو لڑائیون مین مسلمانون کے ہاتھ لگے تھے۔ اور جو مروجہ قوانین جنگ کے رو سے غلام تھے۔ انکی غلامی صرف اسیوقت سے شروع ہوتی تھی جب وہ قید کر لیے جاتے تھے۔ قسم ثانی کے غلام چونکہ تمدنی رنگ مین آزاد لوگون کی طرح ہی تھے اسلیے انکے یکدفعہ ہی آزاد کر دینے سے سوسائیٹی کے تمدن پر کوئی بد اثر نہ پڑ سکتا تھا انکی اپنی جایدادین اپنے گھر اور مکان اپنی تجارتین اور حرفے سب ایسے ہی موجود تھے جیسے آزاد لوگونکے اور انکو آزاد کرنا صرف ان کو اپنی اصلی حالت پر بحال کر دینا تھا ان لوگون سے اگر کوئی خطرہ تھا تو صرف اسقدر کہ آزاد ہونیکے بعد وہ پھر ملک کے امن مین فساد نہ ڈالین پس ان کے لیے قرآن کریم نے یہ تجویز کی کہ اگر ان سے کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ اطاعت اختیار کرین تو ان کے قیدی احسان رکھکر چھوڑ دیئے جاوین جیسا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے چھہ ہزار قیدیون سے سلوک کیا کہ جب وہ تایب ہو کر آئے تو آپنے انکے کل کے کل قیدی یکدفعہ ہی آزاد کر دیئے۔ لیکن اگر ان سے خطرہ ہو تو پھر دو صورتین تھین یا تو وہ فدیہ دیکر آزادی حاصل کرین جیسا کہ دنیا کی کل اقوام مین اب بھی یہی دستور پایا جاتا ہے اور اگر وہ فدیہ ندین تو پھر غلامی مین رہین۔

مگر ان غلامونکو جو مدتون سے غلامی مین چلے آتے تھے قرآن کریم نے یکمرتبہ ہی آزادی دیدینا مناسب نہین سمجھا۔ ان لوگونکے نہ کوئی گھر بار تھے نہ جایدادین تھین نہ کوئی تجارتین تھین اور نہ ہی عموماً کوئی ہنر انکو آتا تھا پس ان سب کے یکدفعہ آزاد کرنے مین نہ صرف مالکونکو ہی ناقابل برداشت نقصان اٹھانا پڑتا بلکہ ان کی اپنی حالت بھی اور پستی کی طرف چلی جاتی اور انکو ذلیل پیشے اختیار کرنے پڑتے اور سوسائیٹی کے تمدن پر اسکا بہت بُرا اثر پڑتا۔ نہ انکے رہنے کے لیے مکان ہوتے اور نہ روزی کمانے کا کوئی عمدہ ذریعہ انکے ہاتھ مین ہوتا۔ انکی اس گری ہوئی حالت کی اصلاح انکو فوری آزادی دینے سے نہین ہوسکتی تھی۔ پس ان کے لیے اسلام نے بھی دور اندیشی سے ایسا طریق سوچا جس سے انکی حالت بھی سنورنے لگی

اور تدریجی طور پر انکو آزادی ملنی بھی شروع ہو گئی۔ وہ ذلت جو غلام کے نام سے لگی ہوئی تھی اور جو سب بدیوں کی جڑ تھی وہ اخوت کو قایم کر کے نابود کر دیگئی اور پھر انکو تعلیم دینے اور ہنر سکھانے کا اہتمام کیا گیا اور ساتھ ساتھ ان کی آزادی کا انتظام بھی کیا گیا اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عجیب نمونہ اپنے کل غلاموں کو آزاد کر نیکا دکھایا اسکا اور بھی نیک اثر ہوا۔ غلاموں کی آزادی کی ضرورت مختلف طریقوں سے سمجھائی گئی۔ اور بہت سی صورتوں میں ان کا آزاد کرنا لازمی قرار دیا گیا۔ اِدھر صدقات کے روپے کا ایک حصہ اس مصرف میں لگنا شروع ہوا۔ اُدھر غلام کے آزاد کر نیکو گناہ کا کفارہ قرار دیکر ہر ایک مسلمان کو یہ سمجھایا گیا کہ غلام کے آزاد کرنے میں ہی اللہ تعالےٰ کی خوشنودی ہے مگر نہ صرف آزاد کرنے میں بلکہ اس سے نیکی اور احسان کرنے میں اور ہر طرح سے اسکی مدد کرنے میں۔ اور ان سب حکموں کے بعد یہ فرمایا گیا کہ جب غلام ہوشیار اور محنتی ہو اور مفید کام کرنیکے قابل ہو اور وہ آزادی حاصل کرنا چاہے تو مالک پر واجب ہوگا کہ وہ اسے اسموقعہ سے فایدہ اٹھانے دے اس طرح پر وہی لوگ غلامی میں رہ سکتے تھے جو بالکل نکمے اور بیکار تھے۔ غلاموں کی حالت میں یہ اصلاحیں نہ صرف اس زمانے میں بلکہ اسکے بعد بھی کسی کو نہ سوجھیں۔ کوئی شخص انصاف اور خدا ترسی سے غور کرے اور دیکھے کہ ایکطرف تو وہ تاریکی جسکے ساتھ دنیا ساتویں صدی کے شروع میں تاریک ہو رہی تھی اور دوسری طرف یہ اعلےٰ درجہ کے اور روشن اصول۔ مقام غور ہے کہ یہ باریک اصول اس تاریکی سے تو پیدا نہیں ہو سکتے تھے اور نہ ہی ایک شخص کے دل میں جو اس جاہل قوم کے درمیان پیدا ہوا ہو ایسے خیالات خود بخود آسکتے تھے پس ان پاک خیالات کا سرچشمہ کونسا تھا۔ اور وہ آفتاب کونسا تھا جس سے یہ نور صداقت چمک اٹھا۔ صرف اتنی بات کا کہدینا کہ غلام آزاد کر دیئے جائیں یہ تو ہر ایک کر سکتا ہے۔ مگر یہ باریک امتیاز اور یہ روشن اصول کہ کن حالتوں میں تدریجی آزادی دیجاوے اور کن حالتوں میں یکدفعہ آزادی دیجاوے۔ یہ بیشک اس پاک سرچشمہ کی تعلیم تھی جو وحی کا سرچشمہ ہے۔ ورنہ ایسی جہالت اور تاریکی کے اندر ایسی عجیب اور پر حکمت تعلیم کا دینا انسان کی طاقت میں نہ تھا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو اس کامل انسان پر یہ جھوٹا الزام لگاتے ہیں کہ اس نے غلامی کو مذہب کا جزو بنا دیا۔ غلامی کو نہیں بلکہ غلاموں کے آزاد کرنے کو اسنے مذہب کا جزو بنا دیا۔ وہ راستہ جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ اور جس میں مہاجرین اور انصار چلتے رہے وہ ایک صاف اور واضح راستہ ہے پس اس راہ پر نکتہ چینی کرو۔ اور دکھاؤ کہ کس مذہب نے اور کس مذہب کے بانی نے ایسے روشن اصول قایم کیئے۔ اور انسانوں کے ساتھ ایسی پاکیزہ ہمدردی دکھائی۔

اسلام (۲)

بجواب پادری سیل

اس مضمون کے پہلے دو حصون مین مینے پادریصاحب کی دو غلطیونکو کھولکر دکھایا ہے کہ کس حالت مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عرب کو پایا اور پھر ان کے اندر کیا تبدیلی پیدا کر کے دکھائی۔ اس تبدیلی پر بعض اعتراض پادریصاحب کے ایسے ہین جن کا جواب الگ مضمونون مین دیا جاچکا ہے۔ مثلاً تعدد ازدواج۔ طلاق پردہ اور عورتون کے حقوق۔ لونڈیون کے متعلق جو کچھ اس نے لکھا ہے اسکا جواب غلامی کے مضامین کے سلسلہ مین آیندہ کسی نمبر مین نکلے گا۔ اور بعض اعتراض اسکے جو حرم حجر اسود اور طواف کے متعلق ہین انکا بیان انشاء اللہ بعد مین کیا جاویگا۔ پہلے میرا خیال تھا کہ اسکے ہر ایک آرٹیکل کا جواب ساتھ ساتھ دیتا جاؤن گا مگر مشکل یہ ہے کہ پادریصاحبان حسب عادت ایک ایک سطر مین کئی کئی اعتراض کر دیتے ہین اسلیے جواب لکھنے والیکو بعض وقت ایک سطر کے جواب مین کئی صفحے لکھنے کی ضرورت پیش آجاتی ہے۔ چونکہ یہ سلسلہ اب شروع ہوگیا ہے اسلیے مین پسند کرتا ہون کہ جہانتک ممکن ہو ان اعتراضات کی بیخکنی مین تفصیل سے کام لیا جاوے۔ اسوقت پادریصاحب کے ایک اعتراض کا جواب دیکر مین رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مکی حصہ زندگی پر بحث شروع کرونگا۔ اور تمہید سے نکلکر اصل واقعات پر آؤنگا۔

ایک ناعاقبت اندیش معترض کی طرح پادریصاحب نے اسلام پر حملہ کرتے ہوئے ایسے ہتھیار کو ہاتھ مین لیا ہے جس سے انکے اپنے مذہب کی جڑ کٹتی ہے مگر یہ لوگ دوسرے مذہب پر بحث کرتے ہوئے اپنے مذہب کو ایسا بھول جاتے ہین کہ اسکی کچھ بھی پروا نہین کرتے اور تعصب کی پٹی آنکھوں پر باندھکر اپنی جڑین ہی کاٹنا شروع کر دیتے ہین پادری سیل نولدیکے کے اس قول کو "کہ شامی قومین خیال کو عام کرنے کی طاقت مین بہت کمزور ہین اور وسیع اور منطقی خیالات کو انکے ذہن قبول کرنیکے قابل ہی نہین"۔ ایسی خوشی سے نقل کرتا ہے کہ گویا یہ ایک شامی قومونکی خصوصیت ثابت ہوگئی اور اسلام اب کبھی عام اور وسیع مذہب ہونیکا دعوے ہی نہین کر سکتا۔ چنانچہ اسکو نقل کرنیکے بعد بڑے فخر سے کہتا ہے

کہ یہ بات اسلام اور اسکے بانی دونون پر صادق آتی ہے۔ لیکن پادری صاحب کو یہ خیال نہ آیا کہ اگر اسی خصوصیت پر ہاتھ ڈالکر کوئی یہ کہدے کہ یہ بات عیسائی مذہب اور اسکے بانی دونون پر صادق آتی ہے تو پھر کیا جواب دینگے۔ ہم سمجھتے ہین کہ یسوع مسیح بھی شامی قومون مین سے تھا۔ وہ شام کے ملک مین پیدا ہوا اور شامی زبان بولتا تھا۔ اسکا سارا کنبہ اور سب رشتے دار بھی شامی ہی تھے اور جب وہ پڑھنے کے قابل ہوا تو وسعت خیال سیکھنے کے لیے لندن یا پیرس نہین بھیجا گیا تھا بلکہ ایک یہودی ماں کی خبر گیری سے نکلکر اسنے ایک یہودی استاد کی شاگردی اختیار کی اور یہودیون کی کتب مقدسہ کے پڑھنے مین بہت حصہ عمر کا صرف کیا۔ شاید پادری سیلؔ صاحب کے اقرار اور نولدیک کے بیان کے بموجب شامی ہونے کی وجہ ہی تھی جو اس نے اپنے شاگردون کو بڑی تنگ خیالی سے یہ نصیحت کی کہ "غیر قومونکی طرف نہ جانا اور سامریونکے کسی شہر مین داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے پاس جاؤ" (متی باب ۱۰۔ آیت ۵و۶)۔ اور شاید اس شامی تنگ خیالی کا نتیجہ ہی ہوگا۔ جو اس نے اپنے مشن کو اسقدر محدود کیا جیسا کہ متی باب ۱۵۔ آیت ۲۴ مین لکھا ہے کہ مین اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا سوائے اسرائیل کے گھر کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے۔ اب اسکے بالمقابل اس عظیم الشان انسان کو دیکھو جو عرب مین پیدا ہوا اور جسپر پادری صاحب نے بڑے ظلم یا جہالت سے یہ الزام لگایا ہے کہ اسکا مذہب وسیع نہین۔ اسکا سب سے پہلا پیغام یہ تھا وما ہوالا ذکر للعلمین (القلم۔ اخیری آیت) یعنی یہ قرآن جو تم سناتے ہو یہ کوئی عرب یا شام کیلئے مخصوص نہین بلکہ یہ دنیا کے سارے لوگونکے لیے نصیحت ہے اور جسکے متعلق فرمایا:۔ تبارک الذی نزل الفرقان علے عبدہ لیکون للعلمین نذیرا (الفرقان) بڑی بابرکت ہے خدا کی ذات جسنے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہان کے لوگونکو خدا کے عذاب سے ڈراوے اور جسکے حق مین خدا فرماتا ہے۔ وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعلمین۔ (الانبیاء۔ ۱۰۷، رکوع ۷) کہ اے پیغمبر ہمنے تمکو دنیا کے تمام لوگونکے حق مین رحمت بناکر بھیجا ہے۔ کہان وہ جو کہے کہ مین اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑونکے سوا اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا۔ اور کہان وہ جسکا دعوے ہو کہ مین دنیا کے تمام لوگونکے لیے رحمت بناکر بھیجا گیا ہون اور یہ تمام دعاوی نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مکی وحی مین بھرے ہوئے ہین۔ آپنے کبھی یہ تنگدلی نہین دکھائی کہ مین عرب کے سوا اور کسی کی طرف نہین بھیجا گیا ہون۔ عیسائی صاحبان اگر اسی بات پر غور کرتے تو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت اپنر کھل جاتی کہ آپکے پہلے جسقدر انبیاء آئے تھے وہ اپنی اپنی قومونکی طرف آئے تھے جیسا کہ قرآن شریف سے بھی اسکی شہادت ملتی ہے کہ وان من امۃ الا

خلا فیہا نذیر۔ مگر عالمین یعنی تمام جہان کے لوگونکے لیے صرف ایک ہی نذیر اور ایک ہی رحمت بنکر آیا اگر سنی سنائی باتوں پر آپ کا مدار ہوتا تو آپ بھی یہی دعوے کرتے کہ مین عرب کیطرف ہی بھیجا گیا ہون۔ اس مقابلہ سے صرف یہی معلوم نہین ہوتا کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہمدردی بمقابلہ دوسرے انبیاء اور خصوصًا حضرت مسیح علیہ السلام کے کسقدر وسیع تھی۔ بلکہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ قوت قدسی جسکے ذریعہ سے نبی ایک پاک تبدیلی پیدا کرتا ہے وہ آنحضرت مین دوسرے انبیاء سے کسقدر بڑھکر تھی کہ آپنے تمام دنیا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا پھر یہی قوت قدسی اس بات کی بھی دلیل ہے کہ آپکی اللہ تعالے کی محبت اور معرفت اور اس ذات پاک سے تعلق دوسرون کی نسبت کسقدر بڑھا ہوا تھا۔ کیونکہ جسقدر علم اور معرفت الہی اور تعلق باللہ زیادہ ہوگا اسیقدر دل مین یہ قوت قدسی بڑھکر پیدا ہوگی پس اس پہلو سے بھی ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی فضیلت کل انبیاء علیہم السلام پر خواہ وہ ملک شام مین پیدا ہوئے ہوں اور خواہ کسی اور جگہ ظاہر و ثابت ہے۔

اسکے بعد پادری صاحب یہ اعتراض کرتے ہین کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ان مختص المکان والزمان قوانین کو جو صرف چندروز کے لیئے عربون کے موزون حال تھے تمام لوگون اور ہر زمانے کیلیے قوانین قرار دیا۔ وہ کون کون قوانین ہین اسکا ذکر پادری صاحب نے نہین کیا ہان قیاس کے طور پر ہم کہہ سکتے ہین کہ انکے ذہن مین تعدد ازواج اور طلاق کے قوانین ہین۔ اسلامی قانون طلاق پر کسی گذشتہ اشاعت مین مفصل بحث کیگئی ہے اور ناظرین اس بحث کو پڑھکر دیکھ سکتے ہین کہ اسلام کا قانون طلاق خاوند اور عورت کیلیے کافی وجہ کے ہونے پر طلاق کا حق پیدا کرتا ہے۔ پادری سیل نے بڑی جرأت سے اس قانون پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ صرف عربونکے لیے اور وہ بھی عارضی طور پر موزون تھا۔ اور دوسرے ملکون مین یا بعد کے زمانیکے لیے یہ قانون نہین ہو سکتا۔ حالانکہ اسے خوب علم ہے کہ آج جو قانون طلاق اکثر عیسائی ممالک مین مروج ہے وہ اسی اصول پر مبنی ہے۔ تعجب ہے کہ ایک تو یہ لوگ اسلام کے پاک اصول کی چوری کرتے ہین اور پھر یہ ناسپاسی کہ اسپر اعتراض کرتے ہین مگر جب عیسائیونسے پوچھو کہ وہ وسیع قانون طلاق کا کونسا ہے جو تمام ملکون اور ہر زمانے کے موزون حال ہے تو شاید یہ جواب دیتے ہوئے کہ وہ عیسائیت کا قانون ہے کچھ شرم ان لوگونکو آجاوے۔ متی اس قانون کو ان الفاظ مین بیان کرتا ہے "و یہ بھی لکھا گیا کہ جو کوئی اپنی جورو کو چھوڑ دے اسے طلاقنامہ لکھدے۔ پر مین تمہین کہتا ہون کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دیوے اس سے زنا کرواتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے زنا کرتا ہے" (متی باب ۵۔ آیت ۳۲) بہت خوب۔ اب پادری صاحب یہ بتادین اور

صاف لفظون میں اس کا جواب دیں کہ آج کل عیسائی ممالک میں کسقدر لوگ ایسے ہیں جو دوسری وجوہات پر طلاق حاصل کرکے اپنی عورتوں سے زنا کرواتے ہیں اور کسقدر مطلقہ عورتیں ہیں جو دوسرا بیاہ کرنیکی وجہ سے اس حکم کے بموجب زنا کا ارتکاب کرتی ہیں؟ ہاں اور یہ بھی بڑا ضروری سوال ہے کہ کسقدر عورتیں طلاق کا دعوےٰ کرکے اور طلاق حاصل کرکے عیسائی مذہب کے رو سے زنا کی مرتکب ہو رہی ہیں کیونکہ یسوع مسیح کے محیط اور کامل قانون طلاق کے رو سے کوئی عورت کسی صورت میں طلاق حاصل نہیں کر سکتی۔ اے پادریصاحبان شرم کرو تم اپنے استاد کے فتوے کے رو سے وہ لوگ ہو جو دوسروں کی آنکھ میں تنکا بتانیکے لیے دوڑتے ہو اور اپنی آنکھ کے شہتیر کو نہیں دیکھتے۔ وہ کونسا اسلام کا اصول ہے جو ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے موزون نہیں۔ اور عیسائیت کا وہ کونسا عقیدہ ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ کے قبول کرنیکے لایق ہے؟ تثلیث یا کفارہ یا آسمان پر چڑھ جانا۔ کیا یہی وہ عقاید ہیں جو تمام دنیا کے قبول کرنیکے لایق ہیں اور ہمیشہ کے لیئے قبول کرنیکے لایق ہیں؟ دیکھو کہ توہم پرستی کی بیخ کنی اور علم کی ترقی خود ان تمام عقاید کو جڑ سے اکھیڑ رہی ہے۔ یہ غلطیاں ہیں جو سچے علم کے سامنے اس طرح پاش پاش ہو جاوینگی جس طرح نور کے سامنے ظلمت۔ کہاں ہے تمہاری سچائی۔ اور حق پسندی جسپر دنیا میں اس قدر شور ڈال رکھا ہے۔؟ کیوں ایک جھوٹ کی خاطر ان باتوں کو بیان کرتے ہو جنکو تم جھوٹی جانتے ہو۔ ایمان سے کہو کہ کیا عیسائی تعدد ازواج کی ممانعت کیوجہ سے مسلمانوں سے زیادہ پاکیزہ زندگیاں بسر کر رہے ہیں؟ سچ سچ بتاؤ کہ کیا تم کبھی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ کہ بعض حالات میں تعدد ازواج ضروری ہو جاتا ہے۔ بتاؤ کہ مسیح نے کب تعدد ازواج کی ممانعت کی؟۔ بتاؤ کہ لوتھر کے وقت تک کلیسیا نے تعدد ازواج جایز قرار نہیں دیا؟ سچ سچ کہو کہ وہ کئی لاکھہ عورتیں جو عیسائی ممالک میں تعداد میں مردوں سے زیادہ ہیں انکے دلوں میں خاوند کی خواہش کبھی پیدا نہیں ہوتی؟ خدا ترسی سے بتاؤ کہ ان پیغمبروں نے جنکے نوشتے تم دن رات کوشش کرکے دنیا میں پھیلا رہے ہو تعدد ازواج کی تعلیم نہیں دی اور اسپر عمل نہیں کیا؟ اور بالآخر یہ بھی بتاؤ کہ کیا تم ہمیشہ سچائی اور پاکیزگی کے قبول کرنے سے انکار پر جمے رہو گے؟

اسلام کی کوئی سی تعلیم لے لو اور اسکا مقابلہ عیسائی مذہب کی ویسی ہی تعلیم سے کرو۔ اور تمہیں ایک ذرہ شک باقی نہیں رہ جائیگا۔ کہ کونسی وہ تعلیم ہے جو ہر ملک اور ہر زمانہ پر حاوی ہے اور کونسی محدود اور ناقابل عمل ہے۔ عیسائی مذہب کی اخلاقی تعلیموں میں سب سے اعلےٰ درجہ کی تعلیم جسپر عیسائی کتابیں لکھتے لکھتے تھک گئے ہیں یہ ہے کہ ایک گال پر طمانچہ کھاکر دوسری پھیر دو۔

اور کوئی کوٹ اتارے تو اسے چغہ بھی دیدو۔ بات تو بہت دل خوش کن ہے مگر دنیا مین آج کون ایسا آدمی ہے جو اس پر عمل کرتا ہے یا اگر یہ سمجھ لیا جاوے کہ یہ زمانہ بہ سبب اپنی بدکاریون اور شرارتونکے اس اعلی درجہ کی تعلیم پر عمل کرنیکے لایق ہی نہین تو کسی گذشتہ زمانہ مین ہی کسی کا نشان بتایا جاوے جس نے اس پر عمل کیا ہو کوئی پوپ ہو۔ یا کوئی لاٹ پادری۔ یا کلیسیا کا اور کوئی عہدیدار۔ یا کوئی انجیل کا واعظ۔ یا کوئی بادشاہ یا کسی ریاست کا حاکم یا کوئی فوج کا جرنیل یا اور عہدیدار یا کوئی عیسائی سوسائیٹی ہی سہی کسی کا پتہ تو بتاؤ جو اس تعلیم کا عامل ہو گذرا ہو۔ اسکے بالمقابل اسلام کی تعلیم کو دیکھو۔ جزاء سیئة سیئة مثلها فمن عفی واصلح فاجره علے اللہ۔ جو کوئی بدی اور شرارت کرے اس کی سزا تو یہی ہے کہ اسکو اسی بدی کے مناسب حال سزا دیجاوے۔ لیکن اگر کوئی شخص معاف کردے اور اسکے معاف کرنیکا نتیجہ اصلاح ہو تو ایسا آدمی اللہ تعالے سے نیک اجر پاوے گا۔ یہی وہ قانون ہے جسپر عیسائی حکومتونکی بھی بنیاد ہے۔ معافی وہی ٹھیک ہے جس سے اصلاح اور نیک نتیجہ پیدا ہو۔ اگر ایک شخص شرارت کرکے دوسرے کے گھر مین آگ لگا دیتا ہے تو اسکو معاف کرنا اس بات پر دلیر کرتا ہے کہ وہ اور ونکے گھرون مین بھی آگ لگائے ایسا ہی بہتسے جرایم پیشہ لوگ ہین جن کو اگر سزا نہ دیجاوے تو وہ سوسائیٹی کے امن کو دور کر دینگے تعجب مجھے اس بات پر آتا ہے کہ عیسائی صاحبان اپنے گھر کی تعلیم پر ایک منٹ کیلیے بھی عمل نہین کرسکتے اور سارے انتظام اور تمدن کی بنیاد ان اصولون پر ہے جو اسلام کے اصول ہین مگر پھر ساتھ ہی اسلام پر یہ اعتراض کیے جاتے ہین کہ اسلام کے اصول ہر زمانہ اور ہر ملک کیلیئے حاوی نہین۔ اور عیسائیت کے اصول وسیع اور محیط ہین۔ اس جھوٹ اور جھوٹی حمایت سے فایدہ کیا۔ اور اس پردہ پوشی سے کب تک کام چلے گا۔

اب مین پادری سیل کے اس حصۂ مضمون پر آتا ہون جس مین اس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی پر اعتراض کیے ہین جس استقلال اور صبر اور دلسوزی کے ساتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مکہ مین رہکر اور طرح طرح کے مصایب اور کفار کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی برداشت کرکے پیغام رسالت کو پہونچاتے رہے وہ ایسے خارق عادت ہین کہ آپکے بڑے سے بڑے دشمنونکو بھی اس جگہ آپکی عظمت اور خلوص کا قایل ہونا پڑا ہے۔ میور جیسا دشمن اپنے منہ سے اقرار کرتا ہے کہ ”انبیا کی تاریخ کے علاوہ اور کسی جگہ ہمین اس جدوجہد کی نظیر نہین ملتی جس مین تیرہ سال تک نبی عربی (صلے اللہ علیہ وسلم) نے باوجود طرح طرحکی دلشکنیون ناامیدیون اور دھمکیونکے اور باوجود رد کیے جانے اور ایذا دیئے جانیکے ایسا کامل ایمان خدا پر دکھایا جس مین کبھی کسی طرحکا تزلزل نہین آیا اور لوگونکو نیکی کیطرف دعوت کرتے رہے۔ اور اپنے بے دین ہم وطنونکو خدا کے آنیوالے غضب سے ڈراتے رہے“۔ مگر مین کہتا ہون کہ ایسا کامل نمونہ تو انبیا

علیہم السلام کی تاریخ مین بھی کہین نہین ملتا اور انہی انبیاء مین مین یسوع مسیح کو بھی شامل کرتا ہون اور بصیرت سے کہتا ہون کہ اس کا نمونہ پادری صاحب یسوع مسیح کی زندگی مین ہرگز نہین دکھا سکتے۔ اگر کسی پادری صاحب کو احقاق حق اور ابطال باطل منظور ہے تو انہین واجب ہے کہ اس کامل ایمان اور استقامت اور صبر اور برداشت کے نمونہ کی جو ہمارے نبی کریم نے دکھایا کوئی نظیر حضرت مسیح کی زندگی مین بھی نکالکر دکھاوین۔ ورنہ یاد رکھین کہ اب وہ زمانہ آگیا ہے کہ لوگ انکے خداوند خداوند کہنے پر نہین بھولین گے بلکہ واقعات حقہ کی رو سے فیصلہ کرینگے کہ افضل کون ہے۔ عرب جیسا کہ پہلے دکھایا جاچکا ہے بت پرستی مین غرق شدہ قوم تھی مگر قریش جن کا مقابلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوا کیونکہ انہین کو پہلے پہل آپ نے مکہ معظمہ مین مخاطب بھی فرمایا۔ نہ صرف بت پرستی سے ہی محبت رکھتے تھے بلکہ انکی ساری وجاہت اور عزت بھی اسی بت پرستی کیوجہ سے ہی تھی۔ کعبہ جو قدیم سے ساری قوم کا مرجع رہا تھا قریش کے زیر حفاظت تھا اور اسوقت وہ ایک عظیم الشان بتخانہ تمام بتونکے پجاریونکے لیے بنا ہوا تھا۔ جہان اسقدر بت موجود تھے کہ ہر روز سالبھر ایک نیا بت پرستش کے لیے ملسکتا تھا۔ پس قریش کا سارے عرب پر ایک طرح سے مذہبی رعب تھا اسکا ثبوت اس بات سے بھی ملتا ہے کہ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ حق شروع کی اور سالانہ مجمعون مین جہان متفرق مقامات سے عرب جمع ہوتے تھے خدا تعالیٰ کی توحید بیان کرنے لگے تو کفار نے آپکے وعظ کے اثر کو زائل کرنیکے لیے یہ تجویز کی کہ ایک ایک آدمی اپنا مقرر کر دیا جس نے ہر گذرگاہ مین بیٹھکر آنیوالون کو متنبہ کر دیا کہ خبردار محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی بات نہ سننا۔ اور جہان نبی کریم وعظ کے لیے جاتے وہان ہی ذی وجاہت قریش مین سے ایک اٹھکر بیان کر دیتا کہ لوگو اس کی بات پر اعتبار نہ کرنا یہ ساحر ہے اور اتنی ہی بات سے سب لوگ آپ کی طرف توجہ کرنیسے رک جاتے۔ پس آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی سے قریش کو صرف یہی خطرہ نہین تھا کہ انکا آبائی مذہب نابود ہو جاوے گا بلکہ بڑا فکر انکو یہ تھا کہ اس سے ان کی عزت اور وجاہت کو بھی صدمہ پہونچے گا۔

یہ بات بھی بیان کرنیکے قابل ہے کہ واعظ انکے درمیان پہلے بھی تھے مگر جو سلوک ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہوا انسے کبھی نہین ہوا۔ نہ صرف یہ کہ اس درجہ کی ایذارسانی نہین ہوئی بلکہ یہ بھی ثابت نہین کہ مذہب کی خاطر انہون نے کسی کو دکھ یا تکلیف پہونچائی ہو۔ مگر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے ساتھ ہی اس قوم کا رنگ بدل گیا۔ شروع سے ہی انکو ایسا معلوم ہونے لگ گیا تھا کہ انکا قومی مذہب آنحضرت کے ہاتھ سے نیست و نابود ہو جائیگا۔ اور اسی لیے ابتدا سے ہی انہون نے اپنی پوری طاقت آنحضرت کے مقابلہ کے لیے خرچ کی وہ جانتے تھے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کبھی جھوٹ نہین بولا اسلیئے آپکے

دعوے کی جہان ایک طرف وہ تحقیر کرتے تھے دوسری طرف اس سے ڈرتے بھی تھے اول اول انکی ایذارسانی استہزا تک ہی محدود تھی مگر جوں جوں وہ آنحضرت کی استقامت کو مشاہدہ کرتے گئے ایذارسانی مین ترقی ہونے لگی۔ کعبہ مین آپکو نماز پڑھنے سے روکنے کے لیے طرح طرح کی تجویزین کی گیئن جب آپ خدا کے حضور کھڑے ہوتے۔ تو آپ پر غلاظت پھینکی جاتی۔ رستون مین جہان سے آپنے گذرنا ہوتا اور اسجگہ جہان آپ نماز پڑھتے کانٹے بچھائے جاتے تارات کی تاریکی مین جب آپ گذرین یا نماز پڑھین تو انسے زخمی ہون اسی کیطرف قرآن کریم ابتدائی وحی مین ان الفاظ مین اشارہ کرتا ہے۔ ارایت الذی ینھی عبدا اذا صلی (العلق)

اب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم ہوا کہ قریش کو ڈراوین کہ اگر وہ توبہ نہین کرینگے اور اپنی شرارتون اور بدکاریون سے باز نہین آوینگے تو انپر عذاب آویگا۔ پس آپنے کل قوم کو جمع کرکے خدا کا پیغام انکے کانون تک پہونچایا۔ پھر کیا تھا۔ مخالفت کی آگ بھڑک اٹھی۔ اوراب کل قوم نے متفق ہوکر نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو نیست و نابود کرنے کی تجویزین اور کوششین شروع کین۔ پہلے انہون نے ابو طالب کو اپنے ساتھ ملانا چاہا کہ وہ آنحضرت کو انکے حوالے کردے تا وہ آپکو مار ڈالین۔ ابو طالب نے اسلام کو قبول نہ کیا تھا مگر اس نے ایسی بیوفائی کا کام کرنیسے انکار کیا۔ اور جب قریش مین اسکی بھی مخالفت ہوئی تو اس نے ایک قصیدہ لکھا جس مین اسنے قریش کی بیجا ایذارسانی کی شکایت کرکے آنحضرت کی حمایت کے وجوہات بیان کیئے۔ اس سے مایوس ہوکر قریش نے نبی کریم کو ہلاک کرنیکی اور تجویزین سوچین۔ ایکدفعہ خود ابو جہل نے اس کام کو اپنے ذمے لیا۔ کہ جسوقت آنحضرت سجدے مین ہون تو اسوقت انکو ہلاک کرڈالے مگر جسکی تائید اور حفاظت کرنیوالا خود احکم الحاکمین ہو کون اسکا بال بیکا کرسکتا ہے۔ مقررہ وقت پر جب آنحضرت نماز مین مشغول تھے تو ابو جہل ایک بڑا پتھر اٹھاکر اپنے ناپاک ارادہ کو پورا کرنیکے لیے آگے بڑھا۔ اور تمام قریش منتظر تھے کہ اب آپ کا کام تمام ہوجائیگا۔ مگر جونہی وہ نزدیک ہوا اللہ تعالے نے اسے ایک ایسا خوفناک نظارہ دکھایا کہ وہ پیچھے بھاگا۔ دنرات نئی نئی تجویزین کیجاتی تھین مگر حق کا اسقدر رعب دلونپر تھا کہ کسی شخص کو جرأت نہ ہوتی تھی۔ آخر کار حضرت عمر جیسے دلیر آدمی نے یہ کام اپنے ذمہ لیا۔ مگر قبل اسکے جو وہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم تک پہونچے وہ راستے مین خود مسلمان ہوگیا۔ اور جسکے سر کو تلوار سے کاٹنے کے لیے چلا تھا آخر اسکے پاؤن پر اپنا سر جا رکھا۔ یہ تصرف الہی ہے جو اللہ تعالے اپنے پیارے بندے کیلیئے کرتا رہا۔

اکیلے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان سب مخالفتونکا مقابلہ کرتے رہے اور سب ایذاؤن اور تکلیفون کی برداشت کرتے رہے۔ مگر کبھی آپکے دلمین یہ خیال نہین گذرا کہ آپکا انجام ناکامی ہوگی یا یہ کہ مخالفون کی مخالفتین آپکا کچھ بگاڑ سکتی ہین۔ لیکن پادری سیل ہر واقعہ کو الٹا بیان کرکے اس سے اپنے مطلب کے

موافق نتیجہ نکالنا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "حضرت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ تنہا اور غریب محض اونٹوں کے چرانیوالے تھے اور انہوں نے اکیلے بغیر کسی ظاہری سامان کے ہر ایک قسم کی مخالفت کا مقابلہ کیا غلط ہے۔ ان کا خاندان ایک امیر خاندان تھا۔ اور قوم کے مذہبی اور تجارتی دار الخلافہ مین اس خاندان یعنے قریش کا بڑا تمدنی اور ملکی اثر تھا۔ اس مدد کے بغیر جو انکو اس وجہ سے پہونچتی رہی وہ کبھی اس مخالفت کی برداشت نہ کر سکتے تھے جسکا اول اول انکو سامنا کرنا پڑا"

پادریصاحب کے اس جھوٹے منطق کو ناظرین بخوبی سمجھ سکتے ہین۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ اگر فلان واقعہ نہ ہوتا تو پھر کیا ہوتا۔ اگر بفرض محال یہ مان لیا جاوے کہ آپکے خاندان کی امیرانہ حیثیت کیوجہ سے آپکی مخالفت پورے زور سے نہین ہوئی تو یہ کیونکر نتیجہ نکلسکتا ہے کہ اگر یہ خاندانی حیثیت نہ ہوتی تو آپ ہلاک ہو جاتے۔ علاوہ ازین یہ ایک لغو دلیل ہے اس سے یہ کہان ثابت ہوا کہ آپ خدا کیطرفسے نہ تھے یا حق پر نہ تھے۔ کیا کسیوجہ سے کسی کی زندگی کا بچاؤ ہو جانا اسکے خدا کیطرفسے ہونیکو باطل کر دیتا ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو پھر ایک شخص یہ بھی کہنے کا حق رکھتا ہے کہ اگر حضرت موسےٰ کو فرعون کی لڑکی دریا سے نہ نکال لیتی تو چونکہ شریعت موسوی کا نام و نشان نہ ہوتا اسلیئے ثابت ہوا کہ نعوذ باللہ حضرت موسےٰ بھی خدا کیطرفسے نہ تھے۔ اور یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اگر مریم کے خاوند یوسف کو فرشتہ خواب مین یہ یقین نہ دلاتا۔ کہ حضرت مریم صدیقہ پاکدامن ہین تو وہ غیرت مین آکر انکو حمل کیحالت مین ہی مار ڈالتا۔ اور اس آپکی مسیحیت یا بزعم عیسائیان خدائی بھی ساتھ ہی جاتی۔ اسلیئے حضرت مسیح بھی نعوذ باللہ خدا کیطرفسے نہ تھے۔ اور مفتری تھے۔ مورخ کو ان بیہودہ خیالات سے کیا تعلق کہ فلان بات نہ ہوتی تو یون ہوتا اسکا کام تو یہ دیکھنا ہے کہ واقعہ مین کیا ہوا۔ اور وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے سخت سے سخت مخالفتون کا مقابلہ کیا اور کامیاب ہوئے اور نہ صرف مقابلہ کیا بلکہ مخالفت یا تکلیف کی آپنے کبھی پروا بھی نہین کی کیونکہ اگر ایسی پروا کرتے تو ابتدا مین ہی تبلیغ کے کام کو ہاتھ سے چھوڑ بیٹھتے۔

اس بات سے کہ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ایک معزز اور شریف خاندان قریش سے تھے۔ آپکی عزت ظاہر ہوتی ہے۔ اور صداقت اور بھی چمکتی ہے مگر یہ بات آپکو قریش اور کل عرب کے بدارادوں سے کیونکر بچا سکتی تھی کتنی دفعہ آپکو قتل کی دھمکیان دی گئین اور کتنی دفعہ قتل کی تجویزین کی گئین۔ وہ کون تھا جس نے ابوجہل یا حضرت عمر کے ہاتھ کو پکڑ لیا۔ کیا ابوطالب نے اگر قریش کو سفارش کی تھی یا بنی ہاشم نے ابوجہل کو روکدیا تھا اور دھمکی دی تھی۔ ہرگز نہین۔ اگر خدا تعالےٰ کا خاص ارادہ نہ ہوتا تو دشمن اپنے بدارادہ کو بڑی آسانی سے پورا کر سکتے تھے۔ کیا بڑے آدمی اور شرفاء دنیا مین قتل نہین کیئے

جاتے تھے یا عرب مین قتل نہین کیے جاتے تھے اور اگر قریش کو کوئی اور روکنے والی طاقت نہ ہوتی تو سارے بنی ہاشم کو تباہ کر دینا انکے نزدیک کونسا مشکل امر تھا۔ اور بنی ہاشم کیا مقابلہ کر سکتے تھے۔ وہ لوگ جن کے معبودونکو انکے منہ پر برا کہا جاتا تھا اور جنکو ہر روز عذاب کی دھمکیان دیجاتی تھین بنی ہاشم کیوجہ سے مخالفت اور بدارادونسے نہ رک سکتے تھے۔ انکو تو اپنے معبود عزیز تھے وہ ابو طالب کی کیا پروا کرتے تھے۔ نہ ابو طالب قریش کو اپنے معبودونسے زیادہ عزیز تھا اور نہ بنی ہاشم کی اسقدر طاقت تھی کہ قریش انکے خلاف کوئی کارروائی کرنیسے ڈر جاتے۔ پس صاف ظاہر ہے کہ قریش کو اپنے بدارادونمین ناکام رکھنے والی کوئی اور طاقت تھی۔ وہ زبردست ہاتھ جو قاتل کے ہاتھ کو روک دیتا تھا انسانی ہاتھ نہ تھا۔ اور وہ طاقتور علم جو انکے سب منصوبون اور تجویزونکو خاک مین ملا دیتا تھا انسانی علم نہ تھا یہ کسقدر ہنسی کی بات ہے کہ جنگ تو مذہب کی بیخکنی کا ہو اور قریش ابو طالب کے لحاظ سے خاموش ہو رہین مگر پادری صاحب اس سے بھی بڑھکر یہ دعوے کرتے ہین کہ "قریش کے ساتھ جو نبی کریم کے تعلقات تھے انہی کیوجہ سے آپکو وہ حفاظت نصیب ہوئی جو ایک کم درجہ کے آدمی کو نہ ملسکتی تھی"۔ یہ کسقدر حماقت سے بھری ہوئی بیخبری واقعات تاریخی کی ہے۔ ابھی تک سیل صاحب کو یہ بھی علم نہین کہ قریش ہی تو مخالف تھے اور دنرات نیست و نابود کرنے کی تجویزون مین لگے رہتے تھے اور انہی کو وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے محافظ فرض کر رہا ہے۔

اس مین شک نہین کہ ابو طالب نے اپنے بھتیجے کو قریش کے حوالہ کر دینے سے انکار کیا اور اس بات پر خوش نہین ہوا کہ وہ ایک معصوم انسان کو بیگناہ مار ڈالین۔ مگر اسکی یہ محبت بھی صرف خونی تعلقات کیوجہ سے نہ تھی۔ نئے مذہب کے تعلقات نے پرانے رشتہ داری کے تعلقات کو بالکل قطع کر دیا تھا۔ اور مسلمانونکو بڑی ایذا رسانی اول اول انہی لوگونکی طرفسے ہوئی جو انکے اپنے نزدیکی رشتہ دار تھے اور جس تجویز مخالفت پر قریش نے اتفاق کیا تھا وہ یہی تھی کہ ہر ایک کنبہ کے لوگ اپنے اپنے عزیزونکو تکلیف دینا شروع کرین۔ کفر کیحالت مین حضرت عمر نے اپنی بہن اور بہنوئی کو اسقدر مارا تھا کہ وہ قریب ادموئے کے ہو گئے تھے۔ اور یہی طریق ہر ایک گھرانے مین اختیار کیا گیا تھا کہ ایذا دہی سے اپنے اپنے عزیزونکو نئے مذہب سے پھیرا جاوے۔ مگر بنی ہاشم کے بڑے بڑے مقتدر اشخاص اسلام کیطرف بہت حد تک مائل ہو چکے تھے۔ حضرت حمزہ رض پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ حضرت عباس بھی اسلام کی طرف مائل تھے۔ ابو طالب اگرچہ پرانے مذہب پر بظاہر قایم رہا مگر وہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو صادق اور راستباز جانتا تھا چنانچہ اسبات کا اظہار اسنے نہایت صفائی سے اس قصیدہ مین کیا ہے۔

جس کا پہلے بھی ذکر آچکا ہے۔ قریش کی بیجا ایذا رسانی کا ذکر کرتے ہوئے وہ کہتا ہے۔

وما ترك قوم لا ابا لك سيدا | يحوط الذمار غير ذرب مواكل
وابيض يستسقى الغمام بوجهه | ثمال اليتامى عصمة للارامل
يلوذ به الهلاك من ال هاشم | فهم عنده فى رحمة وفواضل
حليم رشيد عادل غير طائش | يوالى الها ليس عنه بغافل
فوالله لولا ان اجئ بسبة | تجر على اشياخنا فى المحافل
لكنا اتبعناه على كل حالة | من الدهر جدا غير قول التهازل

ترجمہ ان اشعار کا یہ ہے۔ تجھ پر افسوس کسی قوم نے اپنے سردار کو نہین چھوڑ دیا (گویا اس سوال کے جواب مین کہ تم ہمکو کہتے ہو کہ ہم نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دین۔) اور سردار بھی وہ سردار جو تمام حفاظت کرنیوالی چیزونکی خوب حفاظت کرتا ہے اور وہ دغاباز نہین نہ دوسرونکا مال ہی کھاتا ہے۔ وہ کریم ہے سفید چہرے والا جسکے منہ کے وسیلہ سے مینہ مانگا جاتا ہے٭۔ وہ یتیمونکا ملجا اور بیوہ عورتونکی پناہ ہے۔ آل ہاشم کے کل غربا اس کی پناہ ڈھونڈتے ہین اور اس سے وہ رحمت اور فضل پاتے ہین۔ وہ حلیم اور بزرگ ہے انصاف کرنیوالا۔ اور متین جلدی ناراض نہ ہونیوالا اس خدا کو دوست رکھتا ہے جس سے وہ ایکدم کے لیے بھی غافل نہین ہے۔ خدا کی قسم ہے اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ میری وجہ سے میرے بزرگو نپر محفلون مین عیب لگایا جاویگا تو ہم ہر حال مین اس کی پیروی کرتے (یعنی ظاہر طور پر بھی دین قبول کر لیتا) یہ میری بات نہایت سنجیدگی سے ہے اور ہزل نہین۔

یہ بات بھی اس جگہ بیان کرنیکے قابل ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو سب سے اول قبول کرنے والے وہی لوگ تھے جو آپکے نہایت عزیز دوست یا نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور جو آپکے حالات سے

٭ ایک حدیث مین آیا ہے کہ مدینہ مین ایکدفعہ سخت امساک باران ہوا۔ تو لوگون نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دعا کے لیے التجا کی۔ آپ منبر پر چڑھے اور دعا کرتے رہے یہانتک کہ بادل جمع ہو کر زور کی بارش شروع ہو گئی اور یہانتک بارش ہوئی کہ پھر لوگون نے التجا کی کہ اب تو سیلاب سے ہر ایک چیز کے بہ جانے کا خطرہ ہے جسپر آپنے دعا کی اللھم حوالینا ولا علینا۔ پھر بارش تھم گئی۔ اسوقت آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج ابو طالب ہوتا تو بہت خوش ہوتا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپکا اشارہ ابو طالب کے اس شعر کیطرف ہے جو اسنے آپکی مدح مین کہا ہے کہ وابیض یستسقی الغمام بوجہہ + ثمال الیتامی عصمۃ للارامل۔ فرمایا ہان۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قصیدہ کے بعض اشعار عرب مین عام طور پر مشہور ہو گئے تھے۔ منہ۔

بخوبی واقف تھے سب سے پہلے ایمان لانیوالی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہین جو پندرہ سال سے آپکی زوجیت مین تھین اور جنہون نے آپکی دیانتداری اور صداقت پر خوش ہوکر ہی پہلے یہ تعلق پیدا کیا تھا جبھی کہ انہون نے آپکے منہ سے یہ سنا کہ مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی تو جھٹ بول اٹھین۔ کلا واللہ

مایخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق یہ نہین خدا کی قسم خدا آپکو کبھی رسوا نہین کرے گا۔ کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے یعنی اپنے رشتہ دارونسے نہایت نیک سلوک کرتے ہین اور انکی مدد کرتے ہین جو اپنا بوجھ آپ نہین اٹھا سکتے اور جو کام نہین کرسکتا اس کو کما کر دیتے ہین اور مہمانون کا اکرام کرتے ہین اور مصائب کیوقت لوگونکو مدد دیتے ہین" حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ شروع سے ہی آپکے بڑے دوست تھے۔ جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعوے کیا تو آپ سفر پر تھے۔ واپس آتے ہی جب آپنے یہ خبر سنی تو آپنے کہا بیشک محمد صلے اللہ علیہ وسلم صادق ہین کیونکہ آپنے کسی آدمی پر کبھی جھوٹ نہین بولا تو پھر خدا پر کیونکر جھوٹ بول سکتے ہین۔ اس سے بڑھکر ایک شخص کی صداقت اور خلوص کی اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ وہ لوگ جو سب سے زیادہ اسکے اندرونی حالات سے واقف ہین وہی اسکی صداقت پر ایمان لانیوالے ہون اور ایسے وقت مین جب تمام دنیا مخالفت پر تلی ہوئی ہو۔ حضرت ابوبکر اور خدیجہ رضی اللہ تعالے عنہما سے بہتر واقف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے حالات سے اور کوئی نہ تھا۔ اور اگر کوئی نقص یا عیب آپ مین ہوتا یا کوئی جھوٹ ملونی آپکے دعوے مین ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ وہ اس سے آگاہ نہ ہوتے مگر دونون نہایت سچے دل سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایمان لائے اور ہزارون ابتلاؤن اور امتحانون مین ثابت قدم رہے اور آخر کار اسلام اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی کامیابی پر انکو ایسا ہی ایمان تھا جیسے خود مہبط وحی صلے اللہ علیہ وسلم کو۔ ان دونونکا آنحضرت کو دعوے کا علم ہوتے ہی قبول کرلینا اور پھر اسپر ایسی لانظیر ثابت قدمی دکھانا ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی نہایت پرزور دلیل ہے۔ چنانچہ میور جیسے دشمن کو حضرت ابوبکر کے ایمان اور استقلال پر حیران ہوکر یہ کہنا پڑا ہے کہ "اگر محمد صلے اللہ علیہ وسلم شروع سے ہی عمداً افترا کرنے والے ہوتے تو ایک ایسا آدمی (ابوبکرؓ) اُنپر کبھی ایمان نہ لاتا اور انکا صادق دوست نہ ہوتا جو نہ صرف دانا اور دور اندیش ہی تھا بلکہ سیدھا اور صادق بھی تھا۔ ابوبکر کو اپنے آپ کو بڑا بنانے یا بڑا بننے کا کوئی خیال نہ تھا۔ جب شاہی اختیارات اسکے ہاتھ مین آئے تو انہون نے ان اختیارات کو محض اسلام کی بہتری اور لوگونکے فائدہ کیلیئے برتا۔

وہ خود اس قدر ہوشیار تھا کہ کسی کے فریب مین نہ آسکتا تھا۔ اور اسقدر دیانتدار اور ایماندار تھا کہ دوسرے کو دھوکا نہ دے سکتا تھا"

مقابلہ کے لیے چند لفظ اس جگہ حضرت مسیح کی نسبت بھی بیموقعہ نہ ہونگے حیرت کی بات ہے کہ وہ لوگ جو حضرت مسیح کے حالات سے گہری واقفیت رکھتے تھے انپر ایمان نہین لائے انکے حقیقی بھائی انکو پاگل سمجھتے تھے۔ (مرقس ۳ + ۲۱) وہ حواری جن پر بڑی بڑی امیدین ہونی چاہیئین تھین آخرکار بیوفا ثابت ہوئے۔ ایک نے تیس روپیونکے عوض آپکو آپ کے دشمنونکے ہاتھ بیچدیا۔ اب اس فرق کو دیکھو کہ ایک کا مرید تیس روپیئے کے لالچ سے اپنے آقا کے ساتھ ایسی غداری کرتا ہے اور دوسرے کا مرید تیس ہزار روپیہ اپنے آقا پر قربان کر کے طرح طرحکی تکلیفین اس کے ساتھ اٹھاتا ہے اور ایک دم کے لیے بھی اسکے دلمین یہ خیال نہین گذرتا کہ وہ اپنے آقا کا ساتھ چھوڑے۔ پھر حضرت مسیح کے ایک اور مرید نے جسپر آپکو اسقدر اعتبار تھا کہ بہشت کی کنجیان بھی اسیکے سپرد کردی تھین۔ گرفتاری کیوقت کیسی بیوفائی دکھائی اور انکار کیا اور لعنت بھیجی۔ باقی بھی اسی قسم کے نکلے۔ اور سب کے سب ساتھ چھوڑکر بھاگ گئے۔ ان کمزوردلون اور بیوفاؤنکے مقابل ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ وہ ہین جنکے مضبوط ایمان اور ثابت قدمی کو کوئی مصیبت متزلزل نہین کرسکی۔ انہون نے آپکی خاطر روپیہ مال گھر جایدادین آرام سب کچھ قربان کیا۔ اور پھر آخر اپنی جانین قربان کرنیسے بھی دریغ نہ کیا۔ ان لوگونکی ثابت قدمی۔ وفاداری۔ مضبوطی ایمان۔ صدق اور خلوص کو جس سے کسی کو انکار نہین ہوسکتا۔ میور صاحب صرف اسقدر وقعت دیتے ہین کہ اسنے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آنحضرت نے عمداً افترا نہین کیا اور نہ وفاداری کا ایسا نمونہ صحابہ ہرگز نہ دکھا سکتے تھے۔ ناظرین خود قیاس کرلین کہ اگر حضرت مسیح کے حواریونکی طرح نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے کوئی بیوفائی ہوتی یا جس طرح انکے ایمان مین تزلزل آتا رہا صحابہ کے ایمان مین کبھی تزلزل واقع ہوتا تو پادریصاحبان اس سے کیا نتیجہ نکالتے پھر تو یہ لوگ پھولے بھی نہ سماتے کہ نبی عربی (فداہ امی وابی) کا نعوذ باللہ افترا ثابت ہوگیا۔ مگر خدا کا خوف ان لوگونکے دلونمین نہین۔ اے پادریصاحبان ایمان سے اور خداترسی سے بتاؤ کہ اگر آنحضرت کے صحابہ کے صدق اور وفاداری سے اس سے بڑھکر کوئی نتیجہ نہین نکلتا۔ کہ آپنے عمداً افترا نہین کیا۔ اور آپ نعوذ باللہ دھوکہ خوردہ تھے تو مسیح کے حواریونکی بیوفائی غداری اور بے ایمانی سے کیا کیا نتیجہ نکلتا ہے۔ اگر تم مین کچھ بھی خدا کا خوف ہے تو جرأت کر کے اس نتیجہ کو شایع کرو۔ اگر یہ سچ ہے کہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے تو تمہین حضرت مسیح اور حضرت محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم

کی صداقت یا فضیلت کا فیصلہ کرنیکے لیے صرف ایک ہی بات کافی ہے کہ تم دونون کے صحابیونکا مقابلہ کرلو

اگرمین اصل مضمون سے کسیقدر دور نکل گیا ہون تو مین نے ناظرین کا اپنا وقت ضایع نہین کیا اب مین پھر پہلی بات کی طرف رجوع کرکے یہ کہتا ہون کہ واقعات سیل صاحب کے اس دعوی کی ہرگز تائید نہین کرتے۔ کہ اگر ابو طالب یا بنی ہاشم آنحضرت کے ساتھ نہ ہوتے تو آپ قریش کی مخالفت سے کبھی بچکر نہ نکل سکتے۔ یہ محض جھوٹ ہے اس مین شک نہین کہ ابو طالب نے اخیر دم تک آنحضرت کا ساتھ دینے کیلیے آمادگی ظاہر کی۔ مگر کیون؟ اسلیئے کہ وہ آنحضرت کو راستباز جانتا تھا۔ اور آپکا ساتھ چھوڑنیکو وہ غداری سمجھتا تھا اس نے یہ نہین کہا کہ بنی ہاشم نبی کریم کی محافظت کرنیوالے ہین بلکہ یہی کہا کہ نبی کریم ہی ہاشم کے سردار اور انکے محافظ ہین یتیمون غریبون بیکسون اور بیواؤن کا ملجا و ماوی ہین۔ ابو طالب تو اسلیئے آپ کا ساتھ نہ چھوڑتا تھا کہ آپکا ساتھ چھوڑنیسے اسے بنی ہاشم کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا۔ اس سے تو بہتر تھا اگر سیل صاحب یہ کہدیتے کہ اگر صحابہ آپکے ساتھ ہوکر آپ پر جانین فدا نہ کرتے تو آپ قریش کی مخالفت سے بچکر نہ نکل سکتے تھے۔ مگر ان باتون سے کیا نتیجہ پیدا ہو سکتا ہے +

سوال یہ ہے کہ آیا ابو طالب کیوجہ سے قریش مخالفت سے رک گئے۔ ابو طالب نے اگر کچھ کیا تو وہ صرف یہی تھا کہ اس نے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو قریش کے حوالہ کر دینے سے انکار کیا۔ قریش کی درخواست یہی تھی کہ اگر وہ آنحضرت کو مار ڈالین تو ابو طالب یا بنی ہاشم ان سے بوجھین نہین۔ اس سے بڑھ کر ابو طالب نے کیا کیا اور وہ کیا کر سکتا تھا۔ جب آپ باہر جاتے تھے تو آپکے ساتھ کوئی پہرہ نہ ہوتا تھا۔ رات کی تاریکی مین آپ اکیلے عبادت کیلیے نکلتے تھے حالانکہ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ قریش کے کیا کیا ارادے آپکے مخالف ہین آپکا بھروسہ خدا پر تھا اور یہ یقین تھا۔ کہ جس طاقتور خدا نے آپکو رسالت کا پیغام دیکر بھیجا ہے وہی آپکی حفاظت بھی کرنیوالا ہے۔ پس سچی بات یہی ہے کہ خدا کے سوائے اسقدر دشمنونکے درمیان نہ کوئی آپکی حفاظت کر سکتا تھا اور نہ کسی نے کی۔ ہان وہ خدا جس نے وعدہ کیا تھا اسی نے اپنے وعدہ کو پورا بھی کیا۔ اگر بنی ہاشم بالفرض قریش کی مخالفت بھی کرتے تو وہ قریش کی مجموعی طاقت کے سامنے حیثیت ہی کیا رکھتے تھے! ایکدم مین سب کے سب کچل دیئے جا سکتے تھے۔ بھلا پادری صاحب یہ بتاوین کہ جب قریش نے اتفاق کرکے بنی ہاشم سے لین دین بند کرکے انکو شہر کے ایک کونے مین بند کر دیا تو بنی ہاشم نے کیا مقابلہ کیا۔ بلکہ اگر چندے دن تک اور وہ اسی حالت مین بند رہنے دیئے جاتے تو سارے کے سارے تباہ ہو جاتے۔

اب مین سب باتونکو چھوڑکر یہ کہتا ہون کہ آخر ابو طالب مر گئے اور نبی کریم بنی ہاشم سے الگ ہو گئے یا نہین اسوقت کون آپکا محافظ تھا۔ مخالفت تو اور بھی بڑھ گئی۔ اگر پہلے صرف قریش ہی نیست و نابود کرنے پر آمادہ تھے

تو اب عرب کی اور قومین بلکہ یہودی اور عیسائی بھی ساتھ مل گئے۔ جب مخالفت کی آگ پورے زور سے بھڑک اٹھی تو اسوقت نہ ابو طالب تھا اور نہ بنی ہاشم ہی ساتھ تھے۔ پس سوچ لو کہ جس نے اسوقت آپ کو بچایا وہی پہلے بھی بچاتا رہا۔ بلکہ ابو طالب کی موت کے بعد ہی آپ نے دعوت کا دایرہ اور بھی وسیع کر دیا چنانچہ اسکے بعد آپ نے پہلے بنی ثقیف کیطرف رجوع کیا اور اس قوم کو دعوت حق کی مگر یہان بھی آپکے ساتھ وہی سلوک ہوا جو قریش نے کیا تھا۔ شہر کے لوگون نے آپ کی بڑی مخالفت کی اور پتھر مار کر شہر سے باہر نکالدیا۔ اور بہت دور تک گالیان دیتے ہوئے اور پتھر مارتے ہوئے آپکے پیچھے چلے آئے۔ جب آپ دور نکل آئے تو ایک درخت کے سایہ کے نیچے بیٹھ گئے۔ اور اس تنہائی مین جب زمین کی ہر ایک چیز آپکی مخالفت پر تلی ہوئی نظر آتی تھی آپنے ان الفاظ مین اللہ تعالے کے آگے دعا کی:۔ اللھم الیک اشکو ضعف قوتی و قلّۃ حیلتی وہوانی علی الناس یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن بک علی غضب فلا ابالی ولکن عافیتک ہی اوسع لی اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والاخرۃ من ان تنزل بی غضبک او یحل علی سخطک لک العتبی حتی ترضی ولا حول ولا قوۃ الا بک ۔ اس دعا سے کیسا صاف ظاہر ہے کہ آپ سوائے خدا کے اور کسی پر بھروسہ نہ رکھتے تھے۔ اور اسکی راہ مین ہر طرح کی تکلیفین اٹھانیکے لیے تیار تھے۔

علاوہ برین قریش نے جو کوششین آپکو راہ حق سے روکنے کیلیے کین اور آپنے جو کچھ ایسے موقعہ پر جوابدیا اس سے ظاہر ہے کہ نہ تو آپکو کفار کی تکلیف دہی اور ایذا رسانی کی کوئی پروا تھی اور نہ ہی ابو طالب یا بنی ہاشم کی حفاظت کی کچھ پروا تھی۔ قریش نے طرح طرح کے حیلے کیے کبھی روپے کا لالچ دیا کبھی عزت اور حکومت کا اور کبھی قتل کی دھمکیان دین مگر آپکو نہ کسی بات کی پروا تھی نہ کسی کا خوف۔ ایکدفعہ قریش کی ایک مجلس نے عتبہ بن ربیعہ کو اپنا وکیل کر کے بھیجا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر کے آپکو بت پرستی کی مذمت سے روکے۔ اس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو جا کر کہا۔ کہ "آپ ہم مین شریف خاندان سے ہین اور عالی نسب ہین اور آپنے اپنی قوم کے سامنے ایک بڑا امر پیش کیا ہے جس سے آپنے جماعت مین تفرقہ ڈالا ہے اور انکے معبودون پر اور انکے دین پر عیب لگائے ہین اور انکے آبا و اجداد مین سے جو گذر چکے ہین ان کو کافر کہا ہے۔ پس مین آپکے سامنے چند باتین پیش کرنی چاہتا ہون کہ آپ انمین سے کوئی قبول کر لین تو یہ فتنہ رفع ہو جائے۔ آپنے فرمایا کہو مین سنتا ہون اس نے کہا کہ اگر آپکا اس کام کے اختیار کرنیسے منشا یہ ہے کہ آپکے پاس مال اکٹھا ہو جائے تو ہم اسقدر مال آپکو اکٹھا کر کے دیسکتے ہین کہ آپ قریش مین سب سے زیادہ مالدار ہو جائین اور اگر آپ بیویان چاہتے ہین تو ہم دس نہایت حسین بیویان

آپکو دے سکتے ہین۔ اور اگر آپ اس سے بزرگی چاہتے ہین تو ہم آپکو اپنا سردار بنانیکو تیار ہین اور آپکی اجازت کے بغیر کبھی کوئی کام نہ کرینگے۔ اور اگر آپ حکومت چاہتے ہین تو ہم آپکو اپنا بادشاہ بنانیکو تیار ہین اور اگر آپ کسی جن کے تصرف مین ہین جسکو رد کرنے کی آپ طاقت نہین رکھتے۔ تو ہم آپکے لیے طبیب بلائینگے اور اپنے مال آپکے علاج کیلیے خرچ کرینگے" جب وہ یہ بات کہہ چکا تو آپنے فرمایا۔ اب میرا جواب سن :-

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حٰمٓ۔ تنزیل من الرحمن الرحیم۔ کتٰب فصلت اٰیاتہ قرانا عربیا لقوم یعلمون بشیرا ونذیرا فاعرض اکثرہم فہم لایسمعون وقالوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعونا الیہ وفی اذاننا وقر ومن بیننا وبینک حجاب فاعمل اننا عاملون۔۔۔۔۔ اور آپنے سورہ حٰمٓ السجدہ پڑھی یہانتک کہ آپ اس آیت پر پہونچے۔ فان اعرضوا فقل انذرتکم صعقۃ مثل صعقۃ عاد وثمود۔ اسکے بعد پھر آپ تبلیغ مین لگے رہے اور کفار ایذا دینے اور سب وشتم مین لگے رہے پھر ایکدفعہ قریش کی ایک بڑی مجلس کرکے آپکو بلایا گیا۔ آپنے سمجھا شاید قریش اب قبول کرنیکے لیے تیار ہوئے ہین اور آپ بڑی جلدی آئے۔ مگر پھر انہون نے وہی باتین پیش کین جو پہلے پیش کر چکے تھے۔ آپنے فرمایا "مین مجنون نہین جیسا تم کہتے ہو۔ نہ ہی مین اسلیئے آیا ہون کہ مال یا بزرگی یا حکومت کی خواہش کرون مجھے تو خدا تعالے نے تمہاری طرف رسول کرکے بھیجا ہے اور مجھ پر کتاب نازل فرمائی ہے اور مجھے یہ حکم دیا ہے کہ مین تمہین خوشخبری پہونچاؤن (اگر تم ایمان لاؤ) اور آنیوالے عذاب سے ڈراؤن (اگر تم انکار کرو) اور مینے اپنے پروردگار کے پیغام تم تک پہونچا دیئے ہین اور تمہین نیکی کی راہ پر چلنے کی نصیحت کی ہے۔ اگر تم قبول کرلو اس چیز کو جو مین لایا ہون تو دنیا اور آخرت مین تمہاری خوش قسمتی کا موجب ہوگا اور اگر رد کردو تو مین تمہاری ایذا رسانی پر صبر کرونگا یہانتک کہ اللہ تعالے میرے اور تمہارے درمیان کھلا کھلا فیصلہ کرے"

آخر قریش نے ابو طالب کیطرف رجوع کیا اور بڑے بڑے آدمی جمع ہوکر اسکے پاس گئے اور کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبودون کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے آباء واجداد کو غلط راہ پر بتاتا ہے یا تو تم اسکو روک دو۔ یا تم اس جھگڑے سے الگ ہوتا کہ ہم اسکا قصہ تمام کردین کیونکہ تم بھی مذہب مین اسکے مخالف ہو جیسا کہ ہم ہین"۔ ابو طالب نے بہت نرمی سے انکو جواب دیکر ٹالدیا۔ اور وہ واپس چلے گئے۔ تھوڑے دنون بعد پھر قریش کے عظیم الشان آدمی جمع ہوکر ابو طالب کے پاس پہونچے اور کہا "اے ابو طالب بیشک تو ہمارے درمیان سردار اور بزرگ اور بڑے مرتبہ والا ہے۔ ہمنے پہلے بھی تمہین کہا تھا کہ تم اپنے بھتیجے محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو اس کام سے روکدو مگر تمنے کچھ نہین کیا اور ہم اس بات پر صبر نہین کرسکتے کہ ہمارے معبودونکی ہمارے سامنے مذمت کیجاوے۔ بس یا تو تم اسکو روکدو اور یا تم اسکا ساتھ چھوڑدو۔ اور ہم اسکے ساتھ لڑین یہانتک کہ دونون فریقون مین سے ایک ہلاک ہو جاوے"۔ یہ کہکر وہ چلے گئے۔ ابو طالب پر دونون باتین شاق تھین نہ وہ قریش

کو ہی چھوڑ سکتا تھا اور نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہی۔ آخر اس نے نبی کریم کو بلایا اور آپکو سمجھایا کہ قوم کیا کہتی ہے اور کیا چاہتی ہے آپ نے سمجھا کہ شاید اب ابوطالب ہمارا ساتھ چھوڑنا چاہتا ہے اور ہماری مدد کرنیسے عاجز ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ اگر آپکے دلمین ضعف کا کوئی خیال بھی ہوتا تو اسوقت آپ تبلیغ کے کام سے رک جاتے کیونکہ آپ بخوبی سمجھ سکتے تھے کہ ابو طالب کے بعد پھر دنیا مین کوئی بھی آپکا موافق نہین ہوگا۔ اور کل کی کل قوم دشمن ہی دشمن ہوگی۔ مگر آپنے اسوقت وہ جواب دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپکا قلب اس تیقن سے بھرا ہوا تھا جو بغیر وحی الہی کے حاصل نہین ہو سکتا۔ عاجز انسان کا یہ کام نہ تھا کہ ایسے وقت مین ایسا حوصلہ دکھاتا۔ آپنے فرمایا "اے چچا اگر وہ سورج کو میرے دائین ہاتھ اور چاند کو میرے بائین رکھدین اور یہ چاہین کہ مین حق کی تبلیغ کو چھوڑ دون تو مین ہرگز نہین چھوڑونگا۔ بلکہ یہ کام کرتا رہونگا۔ یہانتک کہ اللہ تعالےٰ اس دین کو غالب کر دے یا مین ہلاک ہو جاؤن"۔ اس جوابنے ابو طالب کو حیران کر دیا اور درحقیقت یہ جواب ایسا ہے کہ ہر ایک آدمی جو کچھ بھی خدا ترسی کو دل مین جگہ دیکر سوچے گا۔ اسے قایل ہونا پڑے گا کہ یہ لفظ انسان عاجز کے نہین اور نہ ہی یہ قوت انسانی ضعف کے سرچشمہ سے پیدا ہو سکتی ہے بلکہ ایسی قوت صرف اللہ تعالے سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ اس قوت اور شجاعت کی نظیر کسی نبی مین ملنی مشکل ہے۔ کاش پادری سیل صاحب مسیح کے سوانح مین کوئی اسکی نظیر نکالکر دکھاوین +

باوجودیکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اسقدر دکھ اور تکلیفین دیجاتی تھین آپکو اس سے نہ چندان غم تھا اور نہ رنج کیونکہ آپ جانتے تھے کہ آپ کی ان چندروزہ تکالیف پر دنیا کی نجات موقوف ہے اور اسلیے آپ خوشی سے سب تکلیفونکو برداشت کرتے تھے لیکن بڑا دکھ آپکو اپنے صحابہ کی تکالیف سے پہنچتا تھا جنکو آپکی آنکھونکے سامنے طرح طرحکے دکھ دیے جاتے تھے اور بڑی بڑی اذیتین دیکر ہلاک کیا جاتا تھا۔ ان بیرحمیون کی جو صحابہ پر کیجاتی تھین کوئی حد نہ رہی تھی۔ عورتون پر جو ظلم کیے جاتے تھے وہ پرلے درجے کے وحشیانہ تھے جنکے ذکر سے بھی جسم کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہین۔ جو لوگ مسلمانون مین سے وجاہت نہ رکھتے تھے انکو جلتی ہوئی ریت اور پتھرون پر دوپہر کے وقت ڈالکر اوپر سے کوڑے لگائے جاتے تھے یہ ظلم اس قسم کے تھے کہ ایک اجنبی کا دل بھی پگھل کر نرم ہو جاتا ہے اور یہ سب ظلم اس رحیم و کریم انسان کو جو اپنے صحابہ کو اس سے زیادہ پیار کرتا تھا جو دنیا کے لوگ اپنے بیٹون بیٹیونسے کرتے ہین اپنی آنکھونسے دیکھنے پڑتے تھے۔ ہر ایک آدمی یہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسے اوقات مین آپکے پاک قلب کی کیا حالت ہوتی ہوگی اور کسقدر پہاڑ غمونکے آپکے اوپر گرتے ہونگے۔ خصوصاً اس صورت مین جب آپ یہ بھی دیکھتے ہونگے کہ ان معصومونکی آپ کسی طرح بھی مدد نہین کر سکتے۔ آخر انہی مصایب کو دیکھ دیکھ کر اور برداشت سے باہر پاکر

آپنے اپنے صحابہ کو ہجرت کا حکم دیا اور خود دشمنونکے اندر اکیلے رہنا پسند کیا مگر اپنے ساتھیوں پر جو ظلم ہوتے تھے انکو برداشت نہ کرسکے حالانکہ آپ یہ بھی جانتے تھے کہ صحابہ کی ہجرت سے مخالفت کا کل زور آپکے خلاف ہو جائیگا۔ مگر آپکے قلب نے جسکے رحم اور کرم کا کوئی اندازہ نہین لگا سکتا اپنی تنہائی اور سب مصایب کو برداشت کرنا اختیار کیا مگر یہ پسند نہ کیا کہ ان لوگون کو جنہون نے سب کچھ چھوڑکر آپکو قبول کیا تھا دکھ پہونچتا رہے۔

ناظرین سمجھتے ہونگے کہ مینے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تکلیفون اور غمونکو تفصیل کے ساتھ بیان کردیا ہے مگر سچ بات یہ ہے کہ سب سے بڑا غم جس غم کے مقابلہ پر تمام اذیتین اور تکلیفین جو کفار کی طرف سے پہنچتی تھین ہیچ تھین اس کا مینے ابھی تک ذکر نہین کیا جہان ان تمام تکالیف کا ذکر قرآن کریم نے یہی کہکر کیا ہے کہ صبر کرتے رہو اور ان سب تکالیف کو اٹھاتے رہو اس غم کا ذکر کلام الٰہی مین یون فرمایا ہے۔ لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین ان نشاء ننزل علیہم من السماء آیۃ فظلت اعناقہم لہا خاضعین وما یاتیہم من ذکر من الرحمن محدث الا کانوا عنہ معرضین فقد کذبوا فسیاتیہم انبؤا ما کانوا بہ یستہزؤن (الشعراء - ۳ - ۶) اے پیغمبر کیا تم اپنی جان کو اس غم سے ہلاک کرڈالوگے کہ یہ لوگ ایمان کیون نہین لاتے۔ ہم چاہین توان لوگون پر آسمان سے ایک زبردست نشان اتارین اور انکی گردنین اس کے آگے جھک جائین (مگر ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہے) کہ جب کبھی خدائے رحمن کیطرف سے انکے پاس نصیحت کی کوئی نئی بات آتی ہے تو وہ اس سے منہ پھیرتے ہین اب کفار مکہ نے جھٹلایا ہے پس عنقریب اس عذاب کی حقیقت انکو معلوم ہوجائے گی جسکی ہنسی اڑایا کرتے تھے +

ان آیات مین اول اللہ تعالے نے یہ بیان فرمایا ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو کسقدر غم ہے کہ کفار آپ پر ایمان نہین لاتے اور خدائے واحد کی پرستش نہین کرتے۔ اللہ تعالے فرماتا ہے کہ یہ غم اسقدر بڑا ہے کہ وہ اولوالعزم رسول جس نے کفار کی طرح طرح کی اذیتون اور تکلیفونکو بڑے صبر سے برداشت کیا ہے وہ اس غم سے ہلاک ہوجانیکو تیار ہے اگر اللہ تعالیٰ کیطرف سے اسے یہ تسلی نہ ملتی رہے کہ آخرکار وہ سب ہدایت کو قبول کرلینگے۔ چنانچہ اس غم کو بیان کرنیکے ساتھ ہی اگلی آیت مین فرمایا ہے کہ جب مشیت الٰہی ہوگی تو وہ زبردست نشان انپر اتارا جاوے گا جسکے آگے ان سب کی متکبر گردنین جھک جاوینگی اور فرمایا مگر سنت اللہ یونہی چلی آئی ہے کہ پہلے پہل یہ لوگ خدا کے مرسلونکی تکذیب اور انسے استہزا کرتے ہین۔ پھر جب انکی تکذیب اور استہزا خدا کے نزدیک قابل گرفت ہوجاتی ہے تو انپر عذاب نازل کیا جاتا ہے۔ اب چونکہ قریش بھی تکذیب کرچکے ہین پس تسلی رکھو کہ وہ وقت عنقریب آئیگا جب انپر بھی وہ نشان اتارا جاویگا کہ یہ لوگ

سب تمہارے مطیع ہو جاوینگے اور دین حق کو قبول کر لینگے۔ چنانچہ مدت بعد ایسا ہی ہوا جب فتح مکہ کے نشان سے جسکا وعدہ مدت سے کفار کو دیا جاتا تھا یہ عظیم الشان نشان پورا ہوا جسکو دیکھ کر انکے دلون مین یقین ہو گیا کہ بیشک خدا تعالے کا طاقتور ہاتھ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی مدد کر رہا ہے اور وہ سب سچے دل سے مسلمان ہو گئے۔ اسی غم کا ذکر ایک دوسری جگہ بھی قرآن کریم نے کیا ہے جہان فرمایا ہے فلعلک باخع نفسک علی آثارہم ان لم یومنوا بہذا الحدیث اسفا (الکہف - ۶) اگر یہ لوگ قرآن کریم پر ایمان نہین لاتے تو کیا تم افسوس کے مارے انکے پیچھے اپنی جان کو ہلاک کر ڈالوگے۔

نہ صرف ان آیات سے ہی یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو کسقدر یہ غم پگھلا رہا تھا کہ قریش بت پرستی اور بدی کی راہ کو کیون نہین چھوڑتے بلکہ آپکی زندگی کا اگر غور سے مطالعہ کیا جائے تو اس سے اسی غم کا عملی ثبوت ملتا ہے۔ سخت سے سخت دکھ پہنچائے جانے پر بھی یہی دعا جناب باری مین آپکی تھی کہ اے میرے خدا میری قوم کو بخش کیونکہ وہ نادانی سے یہ کام کر رہے ہین۔ ساری ساری رات آپ اللہ تعالے کے حضور کھڑے رہتے اور رو رو کر قوم کی اصلاح کیلیے دعائین مانگتے رہتے۔ قرآن کریم کے متعدد مقامات سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ آپکے دل مین اسقدر تڑپ قوم کی اصلاح کی تھی کہ جب لوگ رات کو آرام کرتے تو آپ دن کے تھکے ماندے اٹھکر دعاؤن مین لگ جاتے + اللہ تعالے کی محبت اور مخلوق کی ہمدردی ہی تھی جو رات کو آپکو سونے نہ دیتی تھی اور یہی وجہ تھی کہ آپ تنہا رات کو اٹھکر جنگلون اور بیابانون مین چلے جاتے اور رو رو کر دعائین کرتے نہ درندون اور جنگلی جانورون سے خوف کرتے اور نہ ہی دشمنون سے جو ہر وقت تاک مین لگے رہتے تھے کہ موقعہ ملے تو آپکو مار ڈالین۔ سوچو کہ یہ کیا تڑپ آپکے دلمین تھی ہر ایک شخص اپنے نفس کو ٹٹولے کہ اسکے دل مین کسقدر ہمدردی مخلوق ہے اور وہ مخلوق کیلیے کیا کیا کرتا ہے اسموقعہ پر چند شعر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نقل کرتا ہون جو آپنے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اپنے عشق کا اظہار کرتے ہوئے لکھے ہین۔

کس چه میداند که از ان نالها باشد خبر	کان شفیعے کرد از بہر جہان در کنج غار
من نمیدانم چه دردے بود و اندوه و غمے	کاندران غارے در آوردش حزین و دلفگار
نے ز تاریکی توحش نے ز تنہائی ہراس	نے ز مردن غم نہ خوف کژدم و نے بیم مار
کشتہ قوم و فدائے خلق و قربان جہان	نے بجسم خویش میلش نے بنفس خویش کار
نعرہ ہا پر درد میزد از پئے خلق خدا	شد تضرع کار او پیش خدا لیل و نہار
سخت شورے بر فلک افتاد زان عجز و دعا	قدسیان را نیز شد چشم از غم آن اشکبار

یا نبی اللہ توئی خورشید رہ ہائے ہدے	بے تو نارد رو براہ عارف پرہیزگار
یا نبی اللہ لب تو چشمہ جان پرور است	یا نبی اللہ توئی در راہ حق آموزگار

جسقدر دعائیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کی بہتری کیلیے کیں اسکی کوئی نظیر نہیں مثلاً جب ہم حضرت مسیح کی زندگی کے واقعات کو اناجیل سے پڑھتے ہیں تو صرف اسیقدر معلوم ہوتا ہے کہ گرفتاری سے پہلی رات آپ ساری رات دعائیں کرتے رہے اور کوئی آپکے رات کو اٹھنے اور دعائیں کرنیکا ذکر انجیل مین نہین ہے۔ مگر یہ ایک رات کی دعا حضرت مسیح کی بھی اپنے بچاؤ کیلیئے تھی کہ اے خدا تو موت کے پیالے کو ٹالدے برخلاف اسکے ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی مین کم از کم تیئیس سال کا ثبوت اس امر کا ملتا ہے کہ آپ ساری ساری رات یا آدھی آدھی رات دعاؤں مین لگے رہتے اور یہ دعائیں آپکی اپنے نفس کیلیئے نہ تھین۔ بلکہ مخلوق کی بہتری کیلیے۔ پس جس قدر بڑی آپکی دعائیں تھین اسیقدر عظیم الشان تبدیلی آپکی قوت قدسی سے ظہور پذیر ہوئی۔ غور کا مقام ہے کہ قریش تو دن رات آپکی ایذا کے درپے ہین۔ اور وہ رحیم کریم انسان دن رات انہین کیلیے تڑپ تڑپ کر اور بڑے سوز وگداز سے دعائیں کر رہا ہے جھوٹا ہے جو کہتا ہے کہ اس انسان سے بڑھکر بھی کسی کے دلمین مخلوق کی خیر خواہی تھی۔

اسقدر اقرار تو میور نے بھی کیا ہے کہ بائبل کی تاریخ کے سوا اور کہین تاریخ مین اس استقامت اور صبر کا نمونہ نہین ملتا جو ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے دکھایا۔ مگر تعجب یہ ہے کہ بائبل سے بھی کوئی نظیر نکالکر نہین دکھائی جاتی۔ بائبل مین دشمنونکی تکلیف اور ایذا دہی کا بڑا برداشت کرنیوالا ایلیاہ نبی ہے مگر اسکی بابت یہ لکھا ہے کہ اسنے خود ان تکالیف سے تنگ آکر آخر جناب الہی مین موت کی درخواست کی عیسائیونکے نزدیک ایلیاس سے بڑھکر مسیح ہے مگر افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ مسیح کے الفاظ "ایلی ایلی لما سبقتنی" خدا پر اسی مضبوط ایمان اور استقامت کا عمدہ نمونہ ظاہر نہین کرتے اس سے بہت بڑھکر تکالیف آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ہوئین اور تیرہ برس تک چارونطرف سے ناکامیونکا سامان ہی دکھائی دیتا تھا مگر اسوقت بھی اس کامل الایمان انسان کے منہ سے دشمنونکے لیے یہی للکار نکلی کہ فکیدونی جمیعا ثم لا تنظرون۔ کہ تم سب اکٹھے ہو کر میرے خلاف جسقدر داؤ کر سکتے ہو کر وا ور خبردار ہو جاؤ کہ اگر تمہاری طاقت مین ہے تو تم مجھے ایک لحہ کی مہلت بھی نہ دو۔ اور اپنی کامیابی اور فتح پر خدا کی وحی کی بنا پر ایسا ایمان کہ جب اکیلے دشمنونکے محاصرے مین تھے اسوقت بھی آپکا ایمان ایسا ہی مضبوط اور غیر متزلزل رہا کہ گویا آپ اپنی آنکھوں سے کامیابی کو دیکھ رہے تھے۔ مین پھر عیسائی صاحبان کیخدمت مین یہ درخواست کرتا ہون کہ واقعات حقہ کی بنا پر کسی امر مین ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا حضرت مسیح سے مقابلہ کرین تو انکو قایل ہونا

پڑے گا کہ فضیلت ایک ہی کیلیے ہے اور وہ ہے محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم۔

(باقی آیندہ)

کیا کلیسیا کے عہدیدار بائیبل کی حقانیت پر بحث کر سکتے ہین؟

بعض دلچسپ مذہبی سوالات پر آجکل عام طور پر انگریزی اخبارون مین بحث ہو رہی ہے۔ تھوڑا عرصہ ہوا لندن کے مشہور اخبار ڈیلی ٹیلیگراف مین ایک بحث اس مضمون پر چھڑی تھی کہ عیسائی دنیا کا ایمان کا دعوٰ کس حد تک درست ہے اسکے متعلق ہزارون چٹھیاں اخبار مذکور مین کئی ماہ تک شایع ہوتی رہین۔ آجکل اخبار ڈیلی میل مین یہ مضمون زیر بحث ہے کہ آیا پادریون اور کلیسیا کے عہدیدارونکو یہ حق پہونچتا ہے کہ وہ بائیبل کے کلام الٰہی ہونے پر بحث کرین اس خط وکتابت کے متعلق جو اس سوال کے جواب مین چھپ رہی ہے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور ۲۔ستمبر کے پرچے مین لکھتا ہے۔

"بعض کلیسیا کے عہدیدار یہ کہنے کی جرات کرتے ہین کہ بیشک بائیبل کو زیر بحث لانا انکا کام ہے۔ بالمقابل وہ لوگ ہین جو اس خیال سے مجنونونکی طرح ہو رہے ہین کہ خود کلیسیا کے عہدیدار ہی اس کفر کے کام کو شروع کرین۔ مگر زیادہ تر غضب اسیات پر عام لوگونکو آرہا ہے۔ وہ کہتے ہین کہ کلیسیا کے عہدیدار اپنے عہدونپر مامور ہونیسے پہلے جو قسم اٹھاتے ہین اور جسمین وہ یہ اقرار کرتے ہین کہ ہم سچے دل سے نئے اور پرانے عہدنامے کی تمام کتابونپر ایمان لاتے ہین۔ یہ قسم انکو اسبات سے روکتی ہے کہ وہ ان کتابونکے ایک حرف پر بھی سوال کرین۔ انہی تحریرونمین کہین کہین جو اتفاقی ذکر آگیا ہے تو اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کلیسیا کے بڑے بڑے معزز عہدیدارونکی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو اسبات پر زور دے رہے ہین کہ بائیبل کے معنے کرنے مین بہت آزادی سے کام لینا چاہیئے چنانچہ کینن ہنسن نے کہا ہے کہ انجیل سے جو شہادت مسیح کے جسمانی طور پر دوبارہ جی اٹھنے کی معلوم ہوتی ہے وہ بالکل فضول اور نکمی ہے۔ ایک بہت بڑا فاضل ڈاکٹر سینڈے اسبات سے انکار کرتا ہے کہ مسیح کی آزمایش کے جو واقعات اناجیل مین درج ہین وہ تاریخی طور پر صحیح بھی ہین۔ برمنگھم کا بشپ کہتا ہے کہ اس بات پر ایمان لانا ضروری نہین کہ مسیح کنواری سے پیدا ہوا۔ ونچسٹر کالاٹ پادری کہتا ہے کہ حواریونکے متعلق جو زبانون والا قصہ مشہور ہے اسکی صحت مین بہت بھاری شکوک ہین۔ اس سے بھی بڑھکر

بنگھم کا بشپ یہ کہتا ہے کہ الہام الٰہی میں پیشگوئی کی غلطی واقع ہو سکتی ہے۔"

ان لوگوں کے درمیان جو کہتے ہیں کہ پادریوں اور کلیسیا کے عہدیداروں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ بائبل پر نکتہ چینی کریں۔ بشپ ولڈن ہے جو کسی زمانہ میں کلکتہ کا لاٹ پادری تھا جو کہتا ہے کہ اس قسم کے حملے جیسے مثلاً انسکلوپیڈیا ببلیکا میں کئے گئے ہیں گویا مسیح کی خدائی سے انکار ہے۔ ایسا ہی ایک اور مشہور پادری صاحب ہیں جو کہتے ہیں کہ ان حملوں کو جو بائبل پر کئے جاتے ہیں۔ برہمن پروہت۔ مسلمان علماء اور بدھوں کے لامے بڑے شوق سے دیکھ رہے ہیں کہ ہمارے اپنے عہدیدار کس طرح اپنے ہی مذہب کو اپنے ہی ہاتھوں سے تباہ کر رہے ہیں۔

میں بھی کہتا ہوں کہ واقعی عیسائی مذہب کے زوال کی یہ عظیم الشان خوشخبری ہے۔ کہ خود وہی لوگ جن کا فرض ہے کہ وہ اس کی حمایت کریں اس کی بیخکنی کے درپے ہیں۔ اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ کلیسیا کے عہدیدار یہ قسم کھا چکے ہیں کہ وہ مروج عقاید کے خلاف کوئی حرف مُنہ سے نہ نکالیں گے اسکا جواب یہ ہے کہ اس معاہدہ کے وقت انکو صحیح حالات عیسائی مذہب کے معلوم نہ تھے پس انکا حق ہے کہ جب اصل واقعات معلوم ہوں تو معاہدہ کو فسخ سمجھیں۔

رؤیا و الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۳ اگست ۱۹۰۵ء۔ رؤیا میں دیکھا۔ کہ ایک لفافہ ہے جس میں کچھ پیسے ہیں اس میں سے نکل کر باہر سامنے بھی پڑے ہیں اس کے بعد الہام ہوا "تیرے لئے میرا نام چمکا"۔ فرمایا۔ اس الہام سے پہلے اگرچہ خواب میں پیسے دیکھے گئے۔ جو کسی جھگڑے یا غم پر دلالت کرتے ہیں۔ مگر وحی الٰہی صریح لفظوں میں دلالت کرتی ہے۔ کہ اسکے بعد کوئی نشان ظاہر ہوگا جسکے ذریعہ سے خدا تعالیٰ اپنے نام اور اپنی ہستی کو لوگوں پر ظاہر کرے گا۔

۲۰۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ فرع عیسیٰ و من معہ۔

۲۲۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ چند آدمی سامنے ہیں ایک چادر میں کوئی شئے ہے ایک شخص نے کہا کہ یہ آپ لے لیں دیکھا تو اس میں چند مرغ ہیں اور ایک بکرا ہے میں ان مرغوں کو اٹھا کر اور سر سے اونچا کر کے لے چلا۔ تاکہ کوئی بلّی وغیرہ نہ پڑے راستہ میں ایک بلّی ملی جسکے مُنہ میں کوئی شئے مثل چوہا ہے مگر اس بلّی نے اس طرف توجہ نہیں کی اور میں ان مرغوں کو محفوظ لیکر گھر پہنچ گیا۔

۲۳۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ پہاڑ گرا۔ اور زلزلہ آیا۔

۲۴۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ رؤیا۔ دیکھا کہ مَیں ایک جگہ کھڑا ہوں۔ آگے ایک پردہ ہے۔ پردہ کے پیچھے سے آواز آئی۔ "تو جانتا ہے مَیں کون ہوں۔ مَیں خدا ہوں جس کو چاہتا ہوں عزت دیتا ہوں جس کو چاہتا ہوں ذلت دیتا ہوں۔"

۲۶۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ دیکھا کہ ایک شخص سامنے کھڑا ہے اُس نے نہایت زور کے ساتھ قلم چلایا۔ جیسا کہ کوئی دیا سلائی رگڑتا ہے اور اس کے قلم کے لکھنے کی آواز بھی آئی۔ اُس نے لکھا۔ شاہت الوجوہ۔ فرمایا۔ اسکے معنے ہیں۔ دشمنوں کے منہ کالے ہوگئے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی عظیم الشان نشان کے ذریعہ سے دشمنوں کو رُوسیاہ کرنا چاہتا ہے۔

۳۰۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ مولوی عبدالکریم صاحب کی گردن کے نیچے پُشت پر کاربنکل ہوگیا جسکو چیرا دیا گیا اور چونکہ قریب ایک سال سے حضرت مولنا مخدوم مرض ذیابیطس میں مبتلا تھے۔ کاربنکل کی حالت بہت ہی نازک ہوگئی۔ فرمایا۔ مینے انکے واسطے رات دُعا کی تھی۔ رؤیا میں دیکھا کہ "مولوی نورالدین صاحب ایک کپڑا اوڑھے بیٹھے ہیں۔ اور رو رہے ہیں۔" فرمایا۔ ہمارا تجربہ ہے۔ کہ خواب کے اندر رونا اچھا ہوتا ہے۔ اور میری رائے میں طبیب کا رونا مولوی صاحب کی صحت کی بشارت ہے

۳۰۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ (۱) رؤیا دیکھا کہ میرے ہاتھ میں چابیاں ہیں ایک صندوق کھولنے کا ارادہ ہے فرمایا۔ اسمیں اشارہ

۳۱۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ نماز پڑھ رہے تھے اور سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ والعصر پڑھنا تھا۔ اتنے میں غنودگی ہوکر سورۃ والعصر کی جگہ بڑے زور سے زبان پر یہ سورۃ بطور الہام جاری ہوئی اذا جاء نصر اللہ والفتح۔

نصف رات سے فجر تک مولوی عبدالکریم صاحب کیلئے دعا کی گئی صبح کے بعد جب سویا۔ تو یہ خواب آئی

مینے دیکھا کہ عبداللہ سنوری میرے پاس آیا ہے اور وہ ایک کاغذ پیش کرکے کہتا ہے کہ اس کاغذ پر مینے حاکم سے دستخط کرانا ہے اور جلدی جانا ہے۔ میری عورت سخت بیمار ہے۔ اور کوئی مجھے پوچھتا نہیں دستخط نہیں ہوتے اسوقت مینے عبداللہ کے چہرہ کی طرف دیکھا تو زرد رنگ اور سخت گھبراہٹ اسکے چہرہ پر ٹپک رہی ہے۔ مینے اسکو کہا کہ یہ لوگ روکھے ہوتے ہیں نہ کسی کی سپارش مانیں اور نہ کسی کی شفاعت۔ میں تیرا کاغذ لیجاتا ہوں آگے جب کاغذ لیکر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص مٹھن لال نام جو کسی زمانہ میں بٹالہ میں اکسٹرا اسسٹنٹ تھا کرسی پر بیٹھا ہوا کچھ کام کر رہا ہے اور گرد اس کے عملہ کے لوگ ہیں مینے جاکر کاغذ اسکو دیا اور کہا کہ یہ ایک میرا دوست ہے اور پرانا دوست ہے اور واقف ہے اسپر دستخط کردو۔ اسنے بلا تامل اسی وقت لیکر دستخط کر دیئے۔ پھر مینے واپس آکر وہ کاغذ ایک شخص کو دیا اور کہا خبردار ہوش سے پکڑو۔ ابھی دستخط کیلئے ہیں اور پوچھا کہ عبداللہ کہاں ہے انہوں نے کہا کہ کہیں باہر گیا ہے۔ بعد اسکے آنکھ کھل گئی اور ساتھ پھر غنودگی کیحالت ہوگئی تب مینے دیکھا کہ اسوقت میں کہتا ہوں۔ مقبول کو بلاؤ اس کے کاغذ پر دستخط ہوگئے ہیں۔ یہ جو مٹھن لال دیکھا گیا ہے۔ ملائک طرح طرح کے تمثلات اختیار کرلیا کرتے ہیں مٹھن لال سے مراد ایک فرشتہ تھا سنوری سے یہ مراد ہے کہ سنور ہی گئی

۳۱۔ اگست ۱۹۰۵ء۔ بعد از ظہر الہام ہوا۔ اُرِنی زلزلۃ السّاعۃ

۲ ستمبر ۱۹۰۵ء سینتالیس سال کی عمر۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اس سے دوسرے دن ۳ ستمبر ۱۹۰۵ء کو ایک شخص کا خط آیا جس نے اپنی بدکاریوں اور غفلتوں پر نہایت افسوس کی تحریر کرکے لکھا کہ اب میری عمر سینتالیس سال کی ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ فرمایا کئی دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ جو خط باہر سے آنیوالا ہوتا ہے اُس کے مضمون سے پہلے ہی سے اطلاع دیجاتی ہے۔ ۴ ستمبر ۱۹۰۵ء وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء ایک کاغذ دکھایا گیا جیسا کہ منی آرڈر کا فارم ہوتا ہے اور سامنے اسکے پاس روپے رکھے ہوئے ہیں (اس کشف کے تھوڑی دیر بعد پندرہ روپیہ کا ایک منی آرڈر آیا) ۲۔ ایک کاغذ دکھائی دیا اُسپر لکھا ہوا تھا "آتش فشاں"۔ ۳۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اُسپر لکھا تھا "نامراد"۔ ۵۔ پھر ایک کاغذ دکھائی دیا اسپر لکھا تھا "ردِّ بلا"۔ ۷ ستمبر ۱۹۰۵ء قبل ظہر وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔ ۸ ستمبر ۱۹۰۵ء (۱) کفن میں لپیٹا گیا (۲) اِذَا جَاءَ اَفْوَاجٌ وَسُمٌّ مِّنَ السَّمَاءِ (۳) اِنَّ الْمَنَايَا لَا تَطِيْشُ سِهَامُهَا (موت کا تیر خطا نہیں جاتا)۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی بیماری کا ذکر کرتے ہوئے ۹ ستمبر کو فرمایا کہ مجھے بہت ہی فکر تھا کہ بعض الہامات ان میں خوفناک ہیں۔ آج صبح بہت سوچنے کے بعد میرے دل میں یہ بات ڈالی گئی ہے کہ بعض وقت ترتیب کے لحاظ سے الہامات پہلے یا پیچھے ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ ان الہامات کی ترتیب اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ ڈالی کہ ایسے الہامات جیسے اذا جاء افواج وسم من السماء اور کفن میں لپیٹا گیا اور ان المنایا لا تطیش سہامہا یہ اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ قضاء و قدر تو ایسی ہی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص فضل و رحم سے ردِّ بلا کر دیا۔* ۱۰ ستمبر نماز صبح کے وقت رؤیا۔ ایک جگہ ایک بڑی حویلی ہے اسکے آگے ایک بڑا چبوترہ ہے جسکی کرسی بہت بلند ہے اُسپر مولوی عبدالکریم صاحب سفید کپڑے پہنے ہوئے دروازہ پر بیٹھے ہیں اسجگہ میں ہوں اور پانچ چار اور دوست ہیں جو ہر وقت اسی فکر میں رہتے ہیں میں نے کہا مولوی صاحب میں آپکو آپکی صحت کی مبارکباد دیتا ہوں اور پھر میں رو پڑا اور میرے ساتھ کے دوست بھی رو پڑے اور مولوی صاحب بھی رو پڑے پھر میں نے کہا دعا کرو اور دعا میں تین دفعہ سورہ فاتحہ پڑھی۔ فرمایا اس خواب کے تمام اجزا مولوی صاحب کی صحت کی بشارت دیتے ہیں سورہ فاتحہ کے پڑھنے کی تعبیر بھی یہی ہے کہ انسان کوئی ایسا امر دیکھے جو اُسکو خوش کرنیوالا ہو۔ اور فرمایا جو الحمد خواب میں پڑھتا ہے اُسکی دعا قبول ہوتی ہے

۱۲ ستمبر۔ "دو شہتیر ٹوٹ جائیں گے"۔ اس کے بعد زور سے الہام ہوا۔ اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ

نوٹس

باوجود بار بار تاکید کے خریداران اس طرف توجہ نہیں کرتے کہ خط و کتابت کرتے وقت اپنے نمبر کا حوالہ بھی دیں اور پھر دفتر کیطرف سے اگر جواب میں یا تعمیل میں کچھ بھی توقف ہو تو اظہار ناراضگی کرتے ہیں۔ لہذا سب صاحبان کی خدمت میں التماس ہے کہ خط و کتابت میں اپنے نمبر کا حوالہ ضرور دیا کریں۔ اور اسکا آسان طریق یہ ہے کہ جب انکے پاس رسالہ پہونچے تو اس کی چٹ کو پھاڑ کر پھینکیں نہیں بلکہ اسے رسالہ کے اندر رکھ لیں اور جب کبھی خط و کتابت کی ضرورت ہو تو اس چٹ سے نمبر کا حوالہ دیدیا کریں۔

الملتمس۔ محمد علی مینیجر ریویو آف ریلیجنز

* نوٹ۔ ۱۰ ستمبر تک کاربنکل کی حالت بہت خراب تھی کیونکہ باوجود تین بار چیرا جانیکے کاربنکل بڑھ رہا تھا مگر خدا کا شکر ہے کہ اس رویا کے بعد صحت کے آثار شروع ہو گئے۔ فالحمد للہ علی ذالک +

رجسٹرڈ ایل نمبر ۳۰۳

شکریہ معاونین

بوجہ عدم گنجایش جولائے ۱۹۰۵ء سے پیشتر کے نام درج نہیں ہوسکے۔ جولائی اگست میں جن احباب کی جانب سے زر اعانت پہونچا یا جنھوں نے خریدار پیدا کرکے بہم پہونچائے اُن کے اسماء بقید رقم عطیہ و تعداد خریداران کے خاص شکریہ کے ساتھ درج ذیل کئے جاتے ہیں آیندہ ہر ماہ کے اعانت کنندگان و جدید خریدار پیدا کرنیوالوں کے نام دوسرے ماہ کے پرچہ میں جائز شکریہ کے ساتھ برابر درج ہوتے رہیں گے (اعانت بھیجنے والے احباب)

(۱) ایک احمدی از لدھیانہ ماہوار ؏ (۲) جماعت لاہور ؏ (۳) میاں عبداللہ کھرل ایک نمبردار ؏ (۴) ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور ؏ (۵) ڈاکٹر سید جلال صاحب بربرا افریقہ ؏ (۶) چودھری رستم علی صاحب انبالہ ؏ (۷) ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن پنڈی گھیپ للعہ (۸) جناب محمد صدیق ولد محمد یوسف صاحب کپورتھلہ لعہ (۹) میاں محمد حسین صاحب لائل پور ے (۱۰) جماعت منی پور ؏ (۱۱) سیٹھ سید موسیٰ منی پور آسام نے (۱۲) بابو برکت علی صاحب شملہ ے (۱۳) منشی عبدالعزیز صاحب متھرا ؏ (۱۴) محمد اکبر صاحب مروان ؏ (۱۵) نصر اللہ خان صاحب پلیڈر سیالکوٹ ؏ (۱۶) چودھری حیال خان صاحب محرر جوڈیشل سیالکوٹ ؏ (تولد فرزند کی خوشی میں دیا جو ایک نہایت تحریک کی بنیاد ہے) (۱۷) مولوی محمد صدیق صاحب حکیم صدر شاہ پور للعہ (۱۸) بابو محمد الٰہی کوہاٹ للعہ (۱۹) ۔ اخیار علی کوہاٹ للعہ (۲۰) میاں عزیز بخش تیجہ للعہ (۲۱) مولوی فضل حق صاحب پٹیالہ للعہ (۲۲) حکیم محمد عمر فیروز پور للعہ (۲۳) مولوی محمد حسین صاحب معہ برادر پرم جیت پور للعہ (۲۴) جناب مصطفیٰ خان فیروز پور للعہ (۲۵) محمد ابراہیم صاحب بمبئی للعہ (۲۶) مولوی محمد عبداللہ صاحب پٹیالہ للعہ (۲۷) منشی نصر اللہ خان صاحب حیران للعہ (۲۸) اسمٰعیل آدم بمبئی ے (۲۹) ماسٹر ہدایت اللہ صاحب جہلم ے باقی آیندہ (خریدار پیدا کرنے والے احباب) (۱) سید محمد علی شاہ صاحب مدرس بہیرہ ۳ (۲) حافظ محمد اسحاق صاحب احمدی قادیان ۳ (۳) منشی غلام نبی صاحب بھیرہ ۲ (۴) سید لعل شاہ صاحب برقا نوشہرہ ۲ (۵) میاں امام الدین سیکھواں ۲ (۶) مرزا یعقوب بیگ صاحب اسسٹنٹ سرجن شاہ پور ۲ (۷) ماسٹر عبدالرحیم صاحب اکوڑہ ۲ (۸) محمد وزیر خان صاحب پیگو ۲ (۹) محمد عجب خان صاحب تحصیلدار میران شاہ ۲ (۱۰) غلام محمد صاحب میرٹھ ۲ باقی آیندہ